فغان دہلی

تفضّل حسین کوکب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

فغانِ دہلی

تفضّل حسین کوکب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

فغان دہلی

تفضّل حسین کوکب

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت : 2013
تعداد : 550
قیمت : -/70 روپئے
سلسلۂ مطبوعات : 1704

Fughan-e-Dehli
By : Tafazzal Husain Kokab

ISBN :978-81-7587-921-8

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746
فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com
ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: ہائی ٹیک گرافکس، ڈی 8/2، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز II، نئی دہلی 110020
اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جا سکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے مؤثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

فغان دہلی مرتبہ تفضل حسین کوکب کی یہ اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ کتاب 1876 میں مطبع اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوئی تھی جس میں پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کا نوحہ منظومات کی شکل میں ملتا ہے۔ جب 1857 کا صد سالہ جشن منایا گیا تو یہ کتاب ہندوستان و پاکستان میں بڑے اہتمام سے شائع کی گئی اور پھر جب ڈیڑھ سو سالہ جشن منایا گیا تو پھر اس کی کئی اشاعتیں عمل میں آئیں۔ مگر وہ اشاعتیں ایک تو اغلاط سے پاک نہیں، دوسرے یہ کہ ان میں وہ نظمیں بھی شامل کر دی گئیں جو بعد میں مختلف قومی و ملی موضوعات بالخصوص آزادی کے بعد رونما ہونے والے فسادات سے متعلق لکھی گئی تھیں۔ اور بیشتر اشاعتوں میں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ کون سی نظمیں فغان دہلی کی ہیں اور کون سی بعد کا اضافہ ہیں۔ فغان دہلی کی اس اشاعت کی بنیاد اولین اشاعت پر رکھی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ آزادی کے متوالوں کے یہ نغمے اپنی اصل شکل میں قارئین تک پہنچیں۔ اس کی تیاری میں فغان دہلی (مرتبہ محمد اکرام چغتائی) اور فغان دہلی (مرتبہ رفعت سروش) سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس کتاب پر پروفیسر گوپی چند نارنگ نے پندرہ صفحات پر مبنی بسیط عالمانہ مقدمہ لکھا ہے اور کاپی ایڈیٹنگ جناب جاوید رحمانی نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ کی ہے جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

ڈائرکٹر

مقدمہ

مخطوطہ فغانِ دہلی
اور مطبوعہ نسخوں کا تقابلی مطالعہ

'سنہ ستاون' کے خونی ہنگامے کے بعد انگریزوں نے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ دراصل اسی 'رستخیز بیجا' ہی کے بعد سے قدیم دلی کو 'دلّی مرحوم' کہا جانے لگا۔ اس خوں ریز انقلاب میں دہلی کے باشندوں پر جو مظالم توڑے گئے، ان کا ذکر کرتے ہوئے آج بھی آنکھیں آشوب کرآتی ہیں۔ دہلی کے ادیبوں اور شاعروں کے لیے یہ تباہی اور بربادی، جگ بیتی نہیں، آپ بیتی تھی۔ وہ اس سے گہرے طور پر متاثر ہوئے اور انھوں نے اس کا طرح طرح سے اظہار بھی کیا۔ کسی نے شہر آشوب میں حالات کا رونا رویا، کسی نے قطعہ کہا اور کسی نے غزل میں دل کی بھڑاس نکالی۔ دہلی کی شکست و ریخت سے متعلق انھیں نظمیات کے مجموعے کا نام 'فغان دہلی' ہے، جسے ایک مقامی شاعر تفضل حسین خاں کوکب نے مرتب کیا اور 1863 میں دہلی ہی سے شائع کیا تھا۔

کوکب کے حالات پر کسی اردو فارسی تذکرے یا تاریخ سے روشنی نہیں پڑتی۔ البتہ ان کی اپنی کتاب یعنی 'فغان دہلی' ہی سے ان کی علمیت وغیرہ کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فغان دہلی کی تقریظ قربان علی بیگ سالک نے لکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوکب، صاحب ذوق اور بااستعداد آدمی تھے اور مختلف علوم سے علاقہ رکھتے تھے۔ فغان دہلی میں کوکب نے جہاں اپنی غزل

'مکان دہلی، نشان دہلی' درج کی ہے، وہاں یہ الفاظ لکھے ہیں:

''تفضل حسین آشفتہ سر متخلص بہ کوکب از خوشہ چیناں وزلّہ ربایانِ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔''

صرف اسی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ کوکب غالب سے سلسلہ تلمذ رکھتے تھے۔ مالک رام صاحب نے بھی انھیں غالب کا شاگرد تسلیم کیا ہے۔ (1)

فغان دہلی میں طرحی غزلوں کی خاصی تعداد موجود ہے، اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ غزلیں کسی خاص مشاعرے کا نتیجہ ہیں۔ معظم زمانی بیگم عرف بگا بیگم (2) سے روایت ہے کہ 1857 کے خونی ہنگامے کے بعد دہلی والوں نے ایک مشاعرہ کیا جس میں اس وقت کے بیشتر اساتذہ نے حصہ لیا تھا اور شہر کی تباہی کا رونا رو دیا تھا۔ (3)

لیکن اس یادگار مشاعرے کی تفصیلات معلوم نہیں۔ اتنا بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس مشاعرے کا بانی مبانی کون تھا اور مصرع طرح کیا تھا۔ دہلی میں یہ مشاعرہ کس جگہ ہوا اور کتنے شعرا نے اس میں شرکت کی۔ اس مشاعرے کی تہذیبی اہمیت تو ہے ہی، لیکن ادبی اعتبار سے بھی یہ اپنی قسم کی پہلی چیز تھا، کیونکہ اردو مشاعروں کی تاریخ میں پہلی دفعہ کم از کم تیس شاعروں نے مل کر ایک ہی موضوع پر طبع آزمائی کی۔ اس مشاعرے کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کا موضوع تفریحی یا ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی سماجی تھا۔ اس میں شامل ہونے والے سب کے سب شاعر دہلی کی تباہی اور اپنی زبوں حالی کا ماتم کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ اردو میں اجتماعی درد وغم کا اظہار اتنے بڑے پیمانے پر اور ایسے موثر انداز میں اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

---

1 تلامذہ غالب، ص250

2 بگا بیگم نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر درخشاں کی صاحب زادی تھیں۔ ان کا نکاح زین العابدین خاں عارف کے بڑے بیٹے باقر علی خان کامل سے ہوا تھا۔ تاریخ وفات 10 مئی 1945 ہے۔

3 تلامذہ غالب، ص250

مضامین فرحت حصہ 2 میں بھی اس مشاعرے کا ذکر ملتا ہے: ''غدر کے کئی برس بعد دلی میں ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ اس میں کوئی طرح نہیں دی گئی تھی۔ بس یہی تھا کہ دلی کا مرثیہ کہو۔'' مگر فرحت اللہ بیگ نے کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا۔

'فغانِ دہلی' اپنے موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے خاصی مقبول رہی اور اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ان کی تفصیل بتانے سے پہلے فغان دہلی کے واحد قلمی نسخے کا تعارف ضروری ہے۔

فغان دہلی کا یہ قلمی نسخہ لٹن لائبریری علی گڑھ میں محفوظ ہے [1] جو غالباً مرتب کے مسودے کی نقل ہے۔ بعض شاعروں کا کلام حاشیے پر درج ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ منظومات کوکب کو مجموعے کی ترتیب کے بعد ملیں اور طباعت سے پہلے بڑھا دی گئیں۔ نسخہ خط نستعلیق میں نہایت دیدہ زیب اور جمیل لکھا گیا ہے۔ سائز "6x"11 ہے۔ کتاب ورق اول کی پشت سے شروع ہوتی ہے۔ لوح مطلا ہے اور عنوانات شنگرفی سیاہی سے قائم کیے گئے ہیں۔ ہر صفحہ چہار رنگی جدول سے مزین کیا گیا ہے جس میں سنہرا رنگ نمایاں ہے۔ دیباچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے اور ورق 2 الف پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد 'قصیدہ شہر آشوب مرزا رفیع السودا کہ مناسب حال بود بضبط نگارش در آمدہ' کا عنوان ہے۔ اس کے تحت میں سودا کا قصیدہ 'اب سامنے میرے جو کوئی پیرو جواں ہے' درج ہے جو ورق 4 الف تک چلا گیا ہے۔ یہیں سے سودا کا مخمس 'کہا میں آج یہ سودا سے کیوں ہے ڈانوا ڈول' شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد سودا ہی کا قطعہ 'محبت یار آخر شد — بہار آخر شد' درج ہے جس کے بعد بہادر شاہ ظفر کا مسدس 'کیا پوچھتے ہو کجروی چرخ چنبری' ہے اور انھیں منظومات پر کتاب کے باب اول کا خاتمہ ہے۔ یہ منظومات 'غدر' سے پہلے کی لکھی ہوئی ہیں لیکن ان میں اور 'غدر' کے بعد کے شہر آشوبوں میں چونکہ دہلی کی تباہی و بربادی کا ذکر مشترک ہے، اس لیے انھیں ایک الگ باب میں کتاب کے شروع میں شامل کر دیا گیا ہے۔

فغان دہلی کا دوسرا باب معاصر شاعروں کے شہر آشوبوں اور تیسرا غزلوں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں ابواب میں اردو شاعروں کا وہ تمام کلام جمع کیا گیا ہے جو انگریزوں کے تسلط کے بعد دہلی کی شکست و ریخت سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا۔ دوسرے باب میں مندرجہ ذیل شاعروں کے شہر آشوب ہیں:

---

1 ذخیرہ عبدالسلام۔ نشان 494/16

آزردہ (مفتی صدر الدین)
افسردہ (قاضی فضل حسین خاں خلف قاضی علی خاں رئیس، دہلی)
تشنہ (محمد علی شاگرد عیش و ذوق)
داغ (نواب مرزا خاں شاگرد ذوق)
سوزاں (حکیم محمد تقی)
سالک (قربان علی شاگرد مومن و غالب)
ظہیر (سید ظہیر الدین عرف نواب مرزا شاگرد ذوق)
عیش (حکیم آغا جان شاگرد ذوق و آزاد) دو شہر آشوب
کامل (باقر علی خلف زین العابدین خاں عارف شاگرد سالک)
مبین (حافظ غلام دستگیر خلف و شاگرد قطب الدین مشیر) دو شہر آشوب
محسن (حکیم محمد محسن خاں شاگرد غلام حسن خاں محو)

تیسرے باب میں مندرجہ ذیل 25 شاعروں کی 28 غزلیں اور ایک مطلع ملتا ہے۔ (1) احسن ش سالک، (2) احقر، (3) احمد، (4) اکرام، (5) تجلی ش عیش، (6) ثاقب ش غالب، (7) داغ دہلوی، (8) سالک ش غالب، (9) راقم خلف زین العابدین عارف، (10) شیفتہ ش غالب و مومن، (11) شاطر (اکرام الدین)، (12) شائق (آغا مرزا برادر خورد داغ)، (13) طالب (خلف ضیاء الدین)، (14) ضمیر (مصطفےٰ بیگ)، (15) ظہیر دہلوی، (16) حکیم آغا جان عیش، (17) عاقل (رضا علی)، (18) یوسف علی عزیز لکھنوی، (19) عاصی (غلام حسین)، (20) عابد (حسن علی) ش سالک، (21) قمر (غلام رسول ش غلام حسن محو)، (22) کوکب (تفضل حسین ش غالب)، (23) کامل (باقر علی ش سالک)، (24) مبین (غلام دستگیر خلف قطب الدین مشیر)، (25) محسن (ش غلام حسن محو)۔

کتاب کے آخر میں قربان علی بیگ سالک دہلوی کی لکھی ہوئی اردو تقریظ ہے جو مطبوعہ نسخوں میں بجنسہ چھپی ہے۔ اس کے بعد سالک ہی کے دو قطعے ہیں۔ ان میں سے مطبوعہ

نسخوں میں صرف ایک قطعہ ملتا ہے جو قطعہ مطبوعہ نسخوں میں شامل نہیں، یہ ہے:

کوکب مہر سپہر ادراک زبدۂ اہل زبان دہلی
جمع کی یہ وہ کتاب نادر جس سے ظاہر ہو بیان دہلی
سال تالیف رقم کرتا ہے سالک ہیچ مدان دہلی
نام اس کا دل دنیا پہ ہے نقش یعنی وہ کیا ہے فغان دہلی

ایسے ہی تجمل حسین تجمل نے بھی دو تاریخی قطعے کہے تھے، ان میں سے ایک کو رہنے دیا اور دوسرے کو حذف کر دیا گیا۔ وہ حذف شدہ قطعہ جو مطبوعہ نسخوں میں درج نہیں، یوں ہے:

شہر دہلی میں آئے جب باغی جور کیا کیا اٹھائے یاں ہم نے
تھا یہ ہی واقعہ کہ سال اس کا لکھ دیا ''جورِ باغیاں'' ہم نے
1273ھ

تجمل ہی کے قطعے پر کتاب کا خاتمہ ہے۔ ترقیمے کی عبارت یہ ہے:

''بعون ملک الوہاب کتاب منتخب ولا جواب مخزن غموم خفی وجلی مسمیٰ بہ فغان دہلی بتاریخ
بست وپنجم شوال المکرم 1279 ہجری نبوی صلعم حلیۂ اتمام در برکشید۔''

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اکمل المطابع دہلی سے 1863 میں شائع ہوا۔ پہلے صفحے کی لوح پر حافظ کا یہ شعر درج ہے:

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

اسی صفحے کے درمیان میں جلی قلم سے 'فغانِ دہلی' لکھا ہے اور نیچے یہ سطر ہے۔

''اکمل المطابع دہلی سید فخر الدین طبع نمود''

اس کے بعد ایک صفحے میں مولف کا مقدمہ ہے۔ کتاب کے تین ابواب کو تین شراروں سے منسوب کیا ہے۔ پہلے شرارے کے شہر آشوب وہی ہیں جن کا ذکر خطی نسخے کے ضمن میں اوپر کیا

گیا ہے لیکن یہاں ان کی ترتیب معکوس ہے یعنی بہادر شاہ ظفر کا مسدس سب سے پہلے اور سودا کی نظمیں اس کے بعد درج کی گئی ہیں۔ دوسرے شرارے میں بعینہ وہی شہر آشوب ملتے ہیں جو قلمی نسخے میں موجود ہیں۔ البتہ تیسرے شرارے میں مندرجہ ذیل چھ شاعروں کی چھ غزلیں بڑھا دی گئی ہیں:

سپہر (شہاب خاں) شاگرد مرزا صابر دہلوی
صابر (قادر بخش) شاگرد صہبائی دہلوی
ظاہر (رام پرشاد کائستھ دہلوی)
نامی (لطف علی)
مہدی (مہدی حسین)
ہنر (مرزا بچے صاحب ابن مرزا منور بخت بہادر ابن مرزا فیروز بخت خلف شاہ عالم)

کتاب کے خاتمے پر سالک، باقر علی کامل اور تجمل رسول خان تجمل کے تاریخی قطعوں کے بعد ایک اشتہار کا اور اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کوئی صاحب مولف کی اجازت کے بغیر اس کتاب کو چھاپنے کا قصد نہ کریں۔ نیچے کوکب کے دستخط ہیں اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہے۔ ترقیمے میں یہ عبارت بڑھا دی گئی ہے:

''وبہ تاریخ ہفت دہم شہر جمادی الاول 1280ھ طبع گردید''

اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ چھپتے ہی اس کے تمام نسخے بک گئے اور اسی سال یعنی 1863 میں اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع مرتضوی دہلی سے شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں بھی کتاب کی ترتیب وہی ہے البتہ ایک مخمس اور دو غزلیں بڑھا دی گئی ہیں۔ مخمس، بشن پرشاد فرحت کا ہے۔ غزلوں میں ایک غزل میر عباس، عباس کی اضافہ کی گئی ہے اور دوسری کتاب کے آغاز میں شرارہ اول سے پہلے حاشیے پر حسامی کے نام سے درج ہے۔ یہ غزل خاصی متنازعہ فیہ رہی ہے اس لیے مع اسقام یہاں جوں کی توں درج کی جاتی ہے:

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں میرا غم سے سینہ فگار ہے
ساری رعایائے ہند تباہ ہوئی کہوں کیا کیا ان پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے
و لے شہر دہلی یہ تھا چمن کہ سب طرح کا یہاں تھا امن
وہ خطاب اس کا تو مٹ گیا فقط اب تو اُجڑا دیار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تُلیں کیوں نہ خارِ غم سے وہ چپ گھلیں
ملے طوق قید میں جب انھیں کیا گل کے بدلے یہ ہار ہے
جو سلوک کرتے تھے اور سے اب ہیں دیکھو وہ کس طور سے
وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا تن پہ ان کے نہ تار ہے
یہ وبال تن پہ ہے سر مرا نہیں جان جانے کا ڈر ذرا
بچے غم سے نکلے ہے دم مرا مجھے اپنی زندگی بار ہے
یہاں تنگ حال جو سب کا ہے یہ کرشمہ قدرتِ رب کا ہے
یاں بہار میں تو خزاں ہوئی واں خزاں انھوں کو بہار ہے
یہ ستم کسی نے بھی ہے سنا کہ دی پھانسی لاکھوں کو بے گناہ
و لے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی ان کے دل پہ غبار ہے
نہ تو دشمنائی ہے غیر میں نہ ہے اپنا یاں کوئی دہر میں
چلا تیر اجل کا بھی شہر میں کیا لاکھوں کا جس نے شکار ہے
کیا حسامی ڈر تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے برملا
تجھے ہے وسیلہ رسول کا کہ ترا وہ حامیِ کار ہے

حسامی کے حالات لالہ سری رام نے درج کیے ہیں۔[1] قاضی عبدالودود نے اس

غزل کے انتساب سے "آوارہ گرد اشعار" میں بحث کی ہے۔(2) فغان دہلی کے بعد کئی کتابوں میں اس غزل کے کچھ اشعار بہادر شاہ ظفر کے نام سے منسوب کیے گئے اور مقطع میں حسامی کی جگہ ظفر کا نام لکھا گیا۔ متن اشعار میں بھی اسقام سے قطع نظر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ "میری رائے میں کوئی قابلِ قبول شہادت اس کی موجود نہیں کہ یہ اشعار ظفر کے ہیں۔"(3)

فغان دہلی کا تیسرا ایڈیشن 1299ھ میں مطبع چشمۂ فیض دہلی سے باہتمام منشی مہانرائن شائع ہوا۔ اس سے پہلے ایڈیشن میں شرارہ اول کی ابتدا بہادر شاہ ظفر کے شہر آشوب 'کیا پوچھتے ہو کجروئ چرخِ چنبری' سے ہوئی تھی۔ اس نسخے میں شہر آشوب سے پہلے ظفر کی یہ غزل درج کی گئی ہے:

مقدور کس کو حمدِ خدائے جلیل کا
اس جا پہ بے زباں ہے ذہن قال و قیل کا

شرارہ اول ہی میں میر مہدی مجروح کی ایک غزل بڑھائی گئی ہے۔ اس کے بعد شرارہ دوم کے شہر آشوبوں کی ترتیب وہی ہے جو اس سے پہلے کے نسخوں میں تھی۔ غزلوں کا حصہ بھی حسب سابق ہے۔ البتہ کتاب کے آخر میں صفیر دہلوی کا ایک مخمس (11 بند) اضافہ کیا گیا ہے۔ تاریخی قطعوں کے بعد دو نئی غزلیں بھی مزید شامل کی گئی ہیں۔ حاجی میر شمشیر علی شمشیر کی غزل:

'کیسے کیسے ہوئے برباد مکان دہلی'

13 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد 'ترجمہ غزل حضرت بو علی قلندرؒ' کا عنوان ہے۔ اس غزل میں کل سات شعر ہیں جن میں دنیا کی بے ثباتی اور دوسرے صوفیانہ مضامین بیان کیے ہیں۔ اسی غزل پر کتاب کا خاتمہ ہے۔ کل صفحات 72 ہیں۔

فغان دہلی کا چوتھا ایڈیشن 1303ھ میں بمبئی سے شائع ہوا۔ قبلہ نجیب اشرف ندوی

---

1 تحقیقات، ج دوم۔
2 "آوارہ گرد اشعار" رسالہ نقوش لاہور، جون 1956، ص 172-170
3 ایضاً، ص 172

کے مکتوب بنام راقم الحروف میں فقط اتنا درج ہے کہ ''یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کوکب کا مرتبہ ہے۔'' لیکن چونکہ نام 'فغان دہلی' ہی ہے، اور ترتیب بھی بجنسہ وہی ہے، یہ کوئی دوسری کتاب نہیں۔ سالک اور کامل کے تاریخی قطعات اور بوعلی قلندر کی غزل: 'کس کے فرماتے ہی حق کے کیا درافشانی ہوئی' کے ساتھ کتاب ختم ہوتی ہے۔

1931 میں نظامی بدایونی نے (جو پرانی کتابوں کے عمدہ ایڈیشن شائع کرنے میں کمال رکھتے تھے) فغان دہلی کو معمولی اضافوں کے ساتھ نظامی پریس بدایوں سے نئی ترتیب اور نئی سج دھج سے شائع کیا۔ یہ گویا اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن تھا لیکن نظامی بدایونی نے اس کا نام 'فغان دہلی' سے بدل کر 'فریاد دہلی' معروف بہ انقلاب دہلی کر دیا اور اس کی تالیف کا سہرا اپنے سر باندھتے ہوئے اس کے اصلی مولف یعنی تفضل حسین کوکب کا نام پوری طرح پردۂ خفا میں رکھا۔ 'فریاد دہلی' کا دیباچہ خواجہ حسن نظامی سے لکھوایا گیا۔ ممکن ہے انھیں اس ستم ظریفی کا علم ہو لیکن انھوں نے بھی اس اخفائے حال کو پسند فرمایا اور دہلی سے متعلق اتنی بڑی تعداد میں ایسی اہم منظومات ڈھونڈ نکالنے اور انھیں مرتب کرنے پر نظامی بدایونی کو مبارکباد پیش کی۔ اس پر طرّہ یہ کہ کتاب کی تمہید لکھتے ہوئے نظامی بدایونی نے دعویٰ کیا:

> ''1857 کے عبرتناک واقعہ کو تقریباً پون صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔
> اس لیے آج تہتر سال کے بعد اُن تمام نظموں کو جو اس واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئیں جمع
> کرنا مشکل تھا لیکن پھر بھی 46 شاعروں کی 64 نظمیں کمال جستجو سے دستیاب ہوئیں
> جن کو ہم نے ان اوراق میں جمع کر دیا ہے۔''

جن 46 شاعروں کی 64 نظمیں کمال جستجو سے مرتب کرنے کا دعویٰ نظامی نے کیا ہے، اس میں سے حالی اور غالب کے قطعے اور غزل کے سوائے 2 شاعروں کی 3 منظومات کے باقی تمام منظومات فغان دہلی میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظامی نے کتاب کی پرانی وضع بدل دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور کوکب کی ترتیب کو رد کر کے شاعروں کو حروف تہجی کے اعتبار سے درج

کیا۔ اس سے نہ صرف مختلف اصناف خلط ملط ہوگئیں بلکہ 'غدر' سے متاثر ہوکر کہی گئی نظمیں 'غدر' سے بہت پہلے کہی گئی منظومات سے مل جل گئیں اور مجموعے کی تاریخی ترتیب بالکل ناقص ہوکر رہ گئی۔

نظامی نے فریادِ دہلی میں یہ قطعہ — 'ایک اہلِ درد نے سنسان جو دیکھا قفس' غالب سے منسوب کیا ہے، تمہید میں لکھتے ہیں۔ ان ''اشعار میں مرزا نے لٹی کھسٹی دہلی کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے۔'' واقعہ یہ ہے کہ یہ قطعہ غالب کے کسی قدیم مستند دیوان میں درج نہیں۔ قیاس بھی نہیں چاہتا کہ یہ قطعہ غالب نے کہا ہوگا۔

نظامی نے فریادِ دہلی میں فغانِ دہلی پر جو اضافے کیے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے۔ غالب کے نام سے دو قطعے، ایک جس کا ذکر اوپر کیا گیا اور دوسرا — 'بسکہ فعال ما یرید ہے آج' — غزلوں میں حالی کی ایک غزل بڑھائی گئی ہے۔ حالی کی غزل 'جیتے جی موت کے تم منہ میں نہ جانا ہرگز' درج ملتی ہے۔ حکیم آغا جان عیش کی غزل 'ہوگیا ویران دہلی و دیارِ لکھنؤ' حذف کر دی گئی ہے۔ فغانِ دہلی میں تشنہ کا مسدس 18 بند پر مشتمل ملتا ہے۔ فریادِ دہلی میں فقط 16 بند نقل ہوئے ہیں۔ عیش کی دوسری مسدس میں بھی ایک بند چھوٹ گیا ہے اور کہیں کہیں غزلوں کے اشعار بھی رہ گئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نظامی بدایونی نے غالب کا قطعہ اور حالی کی غزل شامل کر کے فریادِ دہلی کو جامع بنانے کی کوشش کی لیکن انھوں نے اس سلسلے میں سہل انگاری سے کام لیا۔ وہ اگر محنت کرتے تو سنہ ستاون کے ہنگامے سے متعلق انھیں بعض اور اردو نظمیں بھی آسانی سے مل جاتیں۔ غدر سے متعلق جارج پیش شور کا ایک اہم شہر آشوب بھی اُن کی نظر سے رہ گیا۔ جارج پیش شور (1894-1823) ایک اینگلو انڈین خاندان سے تھے اور میرٹھ کے نواح ہرچند پور میں زمینداری کرتے تھے۔ ان سے فارسی میں ایک اور اردو میں چھ دیوان یادگار ہیں۔ مذکورہ بالا شہر آشوب ان کے دیوانِ اول میں درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اینگلو انڈین 1857 کی شورش کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔ شور کے دیوان چونکہ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے، یہ پورا

مخمس یہاں درج کیا جاتا ہے:

اپنے آقاؤں کو مارا ہے گنہگاروں نے   کچھ کیا پاس نمک کا نہ نمکخواروں نے
کردیا دین خراب آہ جفاکاروں نے   حکم مانا نہ خدا کا بھی ستم گاروں نے
زن و بچہ جو کیا قتل سیاہ کاروں نے
ان کو فتویٰ یہ دیا کون سے دینداروں نے

مجتہد ان کا ہے شیطان یہ باطل ہے جہاد   نہ مدد چاہیے ہمراہ سپاہ بیدار
حرص دنیا کے لیے کرتے ہیں ناحق دلشاد   دعوئے دین ہے اور دین کیا ہے برباد
زن و بچہ جو کیا قتل سہ کاروں نے
ان کو فتویٰ یہ دیا کون سے دینداروں نے

رحم افسوس نہ آیا انھیں معصوموں پر   ایسے بے جرموں کے خوں سے نہ کیا خوف خطر
ان کو کیا ترس خدا آئے کہ پتھر ہے جگر   یہ سیہ دل ہیں وہی جن کا جہنم میں ہے گھر
زن و بچہ جو کیا قتل سیہ کاروں نے
ان کو فتویٰ یہ دیا کون سے دینداروں نے

کون سی شرع ہے یہ کون سا مذہب ہے نیا   زن و بچہ کا نہیں ہے کہیں بھی خون روا
نہ تو ہے کوئی حدیث اور نہ ہے حکمِ خدا   فقہ والوں نے لکھا اور نہ اماموں نے کہا
زن و بچہ جو کیا قتل سیہ کاروں نے
ان کو فتویٰ یہ دیا کون سے دینداروں نے

ان تلنگوں نے کیا گرم ستم کا بازار   یہ وہ کالے ہیں کہ دل گوروں کا جن سے بیزار
سب یہ شیطان مجسم ہیں نہیں ہیں دیندار   شور تاریخ لکھو ان کی "سیاہ غدار"
1273ھ
زن و بچہ جو کیا قتل سیہ کاروں نے

ان کو فتوئی یہ دیا کون سے دینداروں نے (1)

محمد حسین آزاد کا قطعہ 'تاریخ عبرت افزا' بھی اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ محمد حسین آزاد نے یہ قطعہ تاریخ 'غدر' کے شروع میں انگریزوں کی پے بہ پے شکستوں سے متاثر ہو کر لکھا تھا اور یہ اسی زمانے میں 24 مئی 1857 کو دلّی اردو اخبار میں شائع ہوا۔ اس اخبار کی ایک کاپی نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں محفوظ ہے۔(2) سب سے پہلے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی اسے منظر عام پر لائے اور انھوں نے اس قطعے کو دہلی کالج میگزین 'قدیم دلّی کالج' نمبر میں شائع کیا جہاں سے یہ نغمات آزادی اور نشید حریت میں بغیر مناسب حوالے کے نقل کیا گیا۔

فغان دہلی کا ایک اور ایڈیشن اب سے پانچ برس پیشتر (جون 1954) میں اکاڈمی پنجاب لاہور نے شائع کیا تھا۔ یہ گویا اس کتاب کا چھٹا ایڈیشن ہے۔ یہ ایڈیشن اکمل المطابع دہلی والے نسخے یعنی فغان دہلی کے اولین ایڈیشن (1863) کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔ اس میں نظمیات کی ترتیب بھی وہی ہے جو کوکب نے قائم کی تھی، لیکن فغان دہلی کے بعد کے ایڈیشنوں میں جن نظمیات کا اضافہ ہوا ہے، انھیں اس ایڈیشن میں شامل نہیں کیا گیا جس کے باعث اس میں بربادی دہلی سے متعلق لکھے گئے کلام کا صرف تین چوتھائی حصہ درج ہوا ہے۔ اس نقص کے علاوہ اس میں کتابت کی غلطیاں بھی افسوسناک حد تک زیادہ ہیں۔

فغان دہلی کے مختلف ایڈیشنوں کے تقابلی مطالعے سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اردو داں طبقے میں بڑی مقبول اور ہر دلعزیز رہی۔ اسے بار بار چھاپا گیا اور اس وقت تک ہماری ناقص معلومات کے مطابق اس کے چھ ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ (پہلا اور دوسرا دہلی سے 1863 میں، تیسرا 1299ھ دہلی، چوتھا 1303ھ بمبئی، پانچواں 1931 کانپور اور چھٹا لاہور سے 1954 میں شائع ہوا) فغان دہلی کے قدیم چار ایڈیشن غالباً کتاب کے مولف تفضل حسین خاں کوکب کی زندگی میں شائع ہوئے۔ اس لیے ہر ایڈیشن میں پچھلے نسخے پر اضافے کیے گئے اور

---

1 دیوان شور اول (مطبوعہ)، ص 211

2 نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، کلکشن نمبر 2، جلد 19، نمبر 21

کتاب کو باعتبار موضوع زیادہ سے زیادہ جامع بنانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پانچویں ایڈیشن میں نظامی بدایونی نے کتاب کی ترتیب بگاڑ دی اور بغیر کسی معقول وجہ کے اس کا نام 'فغان دہلی' سے بدل کر 'فریاد دہلی معروف بہ انقلاب دہلی' کر دیا۔ انھوں نے تالیف کے ضمن میں بیچارے تفضل حسین خاں کوکب کا ذکر ہی نہ کیا اور بڑی دیدہ دلیری سے 'فریاد دہلی' کی ترتیب و تدوین کا سہرا اپنے سر باندھا۔ اس وقت 'فریاد دہلی' کمیاب ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر فغان دہلی کا نسخۂ لاہور (چھٹا ایڈیشن) شائع کیا گیا ہے لیکن یہ نامکمل اور بعض پہلوؤں سے ناقص ہے۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت ہنوز باقی ہے کہ فغان دہلی کے قلمی نسخے اور قدیم چاروں ایڈیشنوں کی مدد سے اس کتاب کا ایک مکمل ترین اور صحیح ترین نسخہ مرتب کیا جائے۔ اس سے نہ صرف کتاب کی افادیت بڑھ جائے گی بلکہ 'سنہ ستاون' جیسے اہم تاریخی واقعہ سے متعلق تمام اردو کلام ایک جگہ محفوظ ہو جائے گا۔

فرحت اللہ بیگ نے غدر سے متعلق عیش کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کا جو کلام پیش کیا ہے، اس میں دو غزلیں ایسی بھی ہیں جو فغان دہلی، فریاد دہلی یا کسی دوسرے مجموعے و تذکرے میں نہیں، وہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

خدا کی جنت سے حور دیکھے زمیں پہ فصل بہار دہلی
تو ہووے سو جاں سے بے تکلف یقین سمجھو نثار دہلی
جہاں کی جو خوبیاں ہیں ساری وہ سب ہیں دہلی کی سرزمیں میں
نہیں ہے کوئی دیار ہرگز جہاں میں مثل دیار دہلی
مبالغہ اس میں کچھ نہیں ہے جو نقش ارژنگ آ کے دیکھے
تو گم ہو اس کی بھی دیکھ سئی ہیں ایسے نقش و نگار دہلی
دعا ہے یوں عیش خوش زباں کی، بصد تضرع جناب حق میں
الٰہی عیش و نشاط و عشرت رہیں سدا ہم کنار دہلی

دوسری غزل بہادر شاہ ظفر کی زمین میں ہے۔ ظفر کی غزل کے یہ دو شعر مرزا فرحت

اللہ بیگ نے ظفر کے پوتے کی زبانی دہلی میں سنے تھے:

نہ گھر ہی رہا ان کے آنے کے قابل   نہ ہم ہی رہے وہاں جانے کے قابل
نہ گھر ہے نہ در ہے رہا اک ظفر ہے   فقط اشک حسرت بہانے کے قابل

اسی زمین میں عیش کی غزل ہے جو تاریخی معنویت کے باعث اہم ہے اس لیے یہاں پیش کی جاتی ہے:

نہیں حال دہلی سنانے کے قابل   یہ قصہ ہے آنسو بہانے کے قابل
اجاڑے ہیں وہ قصر ایک ایک اس کے   جو تھے دیکھنے اور دکھانے کے قابل
نہ خوش آئی آبادی اس کی فلک کو   نہ تھے ورنہ وہ تو مٹانے کے قابل
کیا آہ برباد چن چن کے ان کو   نہ تھے جو کہ برباد جانے کے قابل
ملایا جنھیں خاک میں تو نے وہ تو   نہ تھے خاک میں یوں ملانے کے قابل
ستم سا ستم تو نے ڈھایا ہے ظالم   نہیں بات یہ منہ پہ لانے کے قابل
کہیں ہیں سب احباب دہلی کو چلیے   رہی ہے کہاں اب وہ جانے کے قابل
جسے دیکھ کہتے تھے سیاح عالم   یہ ہے جائے آرام پانے کے قابل
اُسے دیکھ بلبل بھی کہتی ہے یہ جا   نہیں آشیاں اب بنانے کے قابل
سنا جس نے یہ حال افسوس کھایا   یہ ہے حال افسوس کھانے کے قابل
دکھائے ہیں افسوس وہ دن فلک نے   نہ تھے عیش جو دن دکھانے کے قابل[1]

مزید یہ کہ اسی زمین میں ظہور علی ظہور دہلوی (متوفی 1286ھ) شاگرد ذوق کی غزل بھی ہے جو آزردہ کی غزل کی تضمین ہے (لگتا ہے یہ زمین بھی مشاعرے کی طرح رہی ہوگی)۔ بقول قاضی عبدالودود "یہ بموجب صراحت دیوان مطبوعہ شورش 1857 سے متاثر ہو کر کہی گئی

---

1   اردو، 1928، ص 578

ہے۔" یہ غزل بھی چونکہ فغانِ دہلی میں درج نہیں اس لیے یہاں پیش کی جاتی ہے:

اگر ہم نہ تھے غم اٹھانے کے قابل — تو کیوں ہوتے دنیا میں آنے کے قابل
کروں چاک سینہ تو سو بار لیکن — نہیں داغِ دل یہ دکھانے کے قابل
ملیں تم سے کیوں کر رہے ہی نہیں ہم — بلانے کے قابل نہ آنے کے قابل
رہی روز قصرِ تمنا کی تعمیر — نہ تھا یہ کبھی گھر بنانے کے قابل
چھٹے بھی قفس سے تو کس کام کے ہیں — نہیں جب چمن تک بھی جانے کے قابل
بجز اس کے تھے خاک پہلے ہی اے چرخ — نہ تھے خاک میں پھر ملانے کے قابل
کیا ترک دنیا میں جب تو یہ سمجھے — کہ دنیا نہیں دل لگانے کے قابل
وہ آئے دمِ نزع کیا کہہ سکیں ہم — نہیں ہونٹ تک بھی ہلانے کے قابل
خدایا یہ رنج اور یہ ناصبوری — نہ تھے ہم تو اس آزمانے کے قابل
رہے ہم نہ کچھ مصطفیٰ خاں کے غم میں — نہ فکرِ سخن نہ پڑھانے کے قابل
نہ چھوڑیں گے محبوب الٰہی کے در کو — نہیں گو ہم اس آستانے کے قابل
ہمیں قید کرنے سے کیا نفع صیاد — نہ تھے دام میں ہم تو لانے کے قابل
نہ بال منقش نہ پر ہائے رنگیں — نہ آواز خوش کے سنانے کے قابل

وہ آزردہ جو خوش بیاں تھے نہیں اب
اشارے سے بھی کچھ بتانے کے قابل (1)

ابھی پچھلے برسوں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی 1857 کی ڈیڑھ سو سالہ صدی منائی گئی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے بھی اس سلسلے میں 'فغانِ دہلی' کی اشاعتِ نو کا اہتمام کیا۔ زیرِ نظر نسخہ تفضل حسین خاں کوکب کی کتاب 'فغانِ دہلی' کی

1 قاضی عبدالودود، حوالہ ماسبق، ص 172

اشاعتِ اول پرمبنی ہے۔ اس میں پاکستانی اسکالر ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی کی مرتبہ 'فغانِ دہلی' جو پچھلے چند برسوں میں لاہور سے شائع ہوئی ہے، اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ میں اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اور مرتب کتابِ ہذا کو مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی قدر افزائی ہوگی۔

گوپی چند نارنگ
(پدم بھوشن/ستارۂ امتیاز)
دہلی
12 اپریل 2013

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہلہ ہاں اے دیدہ وران ہم نفس و سخن سنجانِ نکتہ رس ہر چند دریں آئیں است و پاستانے دستور کہ چوں ساز خامہ را بچنگ آرند۔ نخست بحمد ایزدی و نعت نبوی و منقبتِ مرتضوی زمزمہ ریز آیند۔ الا دانا داند و دا شناس شناسد کہ حمدِ آفریدگار از آفریدہ چوں تواند و ستائش ممدوح پروردگار از بندہ چوں آید، آنگاہ از ہیچومنی کہ آفرینش را نگم و بینش را داغ ۔

جائیکہ عقاب پر بریزد　　از پشۂ لاغرے چہ خیزد

تا گزیر سپاس فراہم آوری ہمیں نوآئیں گلدستہ کہ خامہ بہ زبان بُریدہ در پردہ دیباچہ نگارش ترانہ سنج است۔ می گزارم وی گزرم، دانی کہ چہ کردہ ام تا ایں نقش دلآویز را بروے کار آوردہ ام ہر آئینہ اشک و آہ و سوز و گداز اہلِ دہلی۔ آمیختہ چارا نخستِ ہستی اش خواہم ساختہ ام تا ایں نگاریں ارژنگ را پیکر بیدائے بخشیدہ و نامش فغانِ دہلی گذاشتہ بہ سہ شرارہ بہ فرجام رسانیدہ ام نخستیں شرارہ بہ ہویدائے کلامِ حضرت محمد سراج الدین بوظفر بہادر شاہ و مرزا رفیع السودا و دوئمیں در مسدساتِ شہر آشوب کہ در زمانہ آشوب دہلی بہ زبانِ سخنوراں رسیدہ و سوئمیں در غزلیات وغیرہ۔ پنہاں نماند کہ در تگاپوئی و ایوار سلسلہ بندی ایں نوآئیں نامہ ترتیب ہجی را رہنمائے خویش گرفتہ ام و بہ ہماں روش رہ سپر گشتہ تا بہ ہنگامِ گیر و دار در پیش و پس بیغارہ کناں را پوزش گزار باشم اما بہ پاسِ ادب در نگارش کلامِ حضرت بوظفر و میرزا رفیع پابند ترتیب مذکورہ نبودہ ام ہمانا ایدوں از بخشندۂ بے منت آں می خواہم کہ ہر کہ

بہ سراپائے ایں نوائیں گلدستہ بہ گذر دنامہ گرد آور یعنی کوکب آشفتہ سر رابہ خیر باد یاد آورد۔ اللہ بس ماسواہوس۔

مخمس شہر آشوب شاعرِ بے بدل سعادت نہاد
کنور بشن پرشاد المتخلص بہ فرحت

کوئی مفلسی میں ہے مبتلا کوئی تنگ حالی سے خوار ہے
کوئی بے کسی میں اُداس ہے کوئی رنج کے تہ بار ہے
جسے دیکھو آہ زمانہ میں وہ الم سے زار و نزار ہے
کوئی ہے قلق سے شکستہ دل، کوئی غم سے سینہ فگار ہے
یہ اُٹھائے لوگوں نے غم پہ غم نہ حساب ہے نہ شمار ہے

ہوا چرخ دل میں نہ کچھ خجل گیا خاک وخوں میں جہان مل
کوئی دل ہی دل میں ہے منفعل کوئی سوزِ غم میں ہے مشتعل
جو ہیں سو قلق ہی شکستہ دل تو ہزاروں ہوگئے زیرِ گل
کئے جور و ظلم یہ متصل کہ زمانہ غم سے ہے مضمحل
ولے بے کسوں کی طرف سے دل ابھی اس فلک کو غبار ہے

گیا سر بہ سر یہ اُجڑ جہاں ہوا انقلاب زمانہ یاں
نہ وہ عیش و عشرت جاوداں نہ زمین رہی نہ وہ آسماں
کیا تو نے کیا ارے آسماں گئے سب کے سب وہ چمن کہاں
ہوئیں یک بہ یک یہ اداسیاں نہ وہ گل رہے نہ وہ بوستاں
یہ کہاں سے آگئی اب خزاں نہ وہ باغ ہے نہ بہار ہے

یہ اٹھائے صدمہ رنج وغم کہ ہیں زندگی سے بھی تنگ ہم
کیا سو قلق نے ہے بند دم، کوئی اور جیتے ہیں دم کے دم

کیا چرخ نے یک قلم ہوا دم زدن میں یہ کیا ستم
رہیں کیوں نہ اشک سے چشم نم، ہوا کیسا دلی میں ہائے غم
ہمیں اس کا ہے بس الم کہ اُجڑ گیا یہ دیار ہے
کروں کیا میں کثرتِ غم بیاں کہ الم میں رہتا ہوں ہر زماں
پڑا غمکدہ میں ہوں نیم جان کوئی ہم عصر ہے نہ مہرباں
کہوں کس سے کون ہے راز داں، میرے غم کی طول ہے داستاں
یہ بلا ہیں غم کی گرانیاں کہ ہے زندگی سے بھی تنگ جاں
مجھے چھوڑ گئی ہے اجل کہاں جہاں سانس لینا بھی بار ہے
نہ تھا ان دنوں کا خیال جب وہ مزے سے گزرے تھے روز و شب
کوئی دل میں اپنے تھا پر طرب کوئی سو خوشی سے تھا خندہ لب
دلے کیجیے دل میں جو غور اب تو جہاں کا طرز ہے کچھ عجب
جو خوشی سے رہتے تھے خندہ لب وہ ہیں غم کے ہاتھوں سے پر تعب
پڑے یک بہ یک یہ الم میں سب نہ تو صبر ہے نہ قرار ہے

غزل شاعر نازک خیال دقیقہ رس معنی شناس متخلص بہ حسامی

گئی یک بہ یک یوں ہوا پلٹ کہ نہ دل کو اپنے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں برا غم سے سینہ فگار ہے
یہ رعایا ہند تباہ ہوئی کہوں کیا جو اُن پہ جفا ہوئی
جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو قابلِ دار ہے
یہ ستم کسی نے بھی ہے سنا جو دی پھانسی لاکھوں کو بے گناہ
دلے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی دل پہ ان کے غبار ہے
نہ دبایا زیرِ چمن انھیں نہ دی گور اور کفن انھیں
کیا کس نے یار دفن انھیں بے ٹھکانے جن کا مزار ہے

نہ تھا شہر دہلی یہ تھا چمن وے سب طرح کا تھا یہاں امن
سو خطاب اس کا تو مٹ گیا فقط اب تو اجڑا دیا ہے
یہ تماشہ وہ ہے برا فلک چلو بچ کے سب ہی الگ الگ
نہ رفیق کوئی کسی کا ہے نہ کسی کا کوئی بھی یار ہے
یہاں جو حال تنگ ہے پیر کا یہ کرشمہ قدرت رب کا ہے
یہاں بہار میں تو خزاں ہوئی وہاں خزاں میں دیکھو بہار ہے
کیا حسامیؔ غم تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے برملا
تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہ تمھارا حامیٔ کار ہے

شرارۂ نخستین

مسدس شہر آشوب از نتائج فکر بہادر شاہ ظفر تخلص

کیا پوچھتے ہو کجروی چرخ چنبری
ہے اس ستم شعار کا شیوہ ستم گری
کرتا ہے خوار تر اُنھیں جن کو ہے برتری
اس کے مزاج میں ہے یہ کیا سفلہ پروری
کھاوے ہے گوشت زاغ فقط استخواں ہما
کیا منصفی ہے زاغ کہاں اور کہاں ہما

بالعکس ہیں زمانے میں جتنے ہیں کاروبار
شیوہ کیا ہے اُلٹا زمانے نے اختیار
ہے موسم بہار خزاں اور خزاں بہار
آئی نظر عجب روشِ باغِ روزگار
جو نخل پُر ثمر ہیں اُٹھا سکتے سر نہیں
سرکش ہیں وہ درخت کہ جن میں ثمر نہیں

بادِ صبا اُڑاتی چمن میں ہے سر پہ خاک
ملتے ہیں دم بہ دم کفِ افسوس برگِ تاک
غنچے ہیں دل گرفتہ گلوں کے جگر ہیں چاک
کرتی ہیں بلبلیں بھی فریادِ دردناک
شاداب حیف خار ہوں گُل پائمال ہوں
گلشن ہوں خار نخلِ مغیلاں نہال ہوں

نزدیک اپنے آپ کو جو کھینچتے ہیں دور
دیکھا تو صاف فہم میں اُن کے ہے کچھ قصور
ورنہ جو باصفا ہیں خردمند ذی شعور
کیا دخل اُن کو آوے کبھی نخوت و غرور
رکھتے غبار کینہ سے وہ سینہ صاف ہیں
ہر نیک و بد سے صورت آئینہ صاف ہیں

جائیں نکل فلک کے احاطے سے ہم کہاں
ہووے گا سر پہ چرخ بھی جاویں گے ہم جہاں
کوئی بلا ہے خانۂ زنداں یہ آسماں
چھٹنا محال اُس سے ہے جب تک ہے تن میں جاں
جو آگیا ہے اس محلِ تیرہ رنگ میں
قیدِ حیات سے ہے وہ قیدِ فرنگ میں

یہ گنبدِ فلک ہے عجب طرح کا قفس
طاقت نہیں ہے نالہ کی بھی جس میں یک نفس
جنبش ہو ایک پر کی تو پر ٹوٹ جائیں دس
رہ جائے دل کی دل میں نہ کس طرح سے ہوس
کیا طائر اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں نہ اتنا دم ہو کہ پرباز کر سکے

کیا کیا جہان میں ہوئے شاہانِ ذی کرم
کس کس طرح سے رکھتے تھے ساتھ اپنے وہ حشم
آخر گئے جہان سے تنہا سوئے عدم
دارا کہاں کہاں ہے سکندر، کہاں ہے جم
کوئی یہاں رہا ہے نہ کوئی یہاں رہے
کچھ اے ظفر رہے تو نکوئی یہاں رہے

قصیدہ شہرآشوب مرزا رفیع السودا
کہ مناسب حال بود بہ ضبط نگارش درآمدہ

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے
میں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ ہی اللہ ــــ کیا نظم بیاں ہے
اتنا میں کیا عرض کہ فرمایئے حضرت
آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے
سن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا
اس امر میں قاصر تو فرشتوں کی زباں ہے
کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانے میں کئی شکل
ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیاں ہے
گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے
گزرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنیے کے ہاں ہے

ثابت ہے جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال
تیروں میں ہے پر گیری تو بے چلہ کماں ہے
کہتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جاکر
بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقے سے میاں ہے
یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ
شوال بھی پھر ماہِ مبارک رمضاں ہے
اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس مہینے
تنخواہ کا پھر بٹنا اس شکل سے یاں ہے
لیتے ہیں بایں روپیکی وہ تو دو ماہہ
تک دھونس ڈھر کے کی جنھیں تاب و تواں ہے
قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اس میں
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جواں ہے
مُلا جو اذاں دیوے تو منہ موند کے اُس کا
کہتے ہیں کہ خاموش مسلمانی کہاں ہے
بولا جو خطیب اس میں تو ماری اسے اک دھول
ہاتھ آگیا واعظ۔ تو چھیڑاؤ دہاں ہے
رینگے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے
اور وہ ہیں جو کمزور وہاں آن کے بیٹھیں
ریتی کے جو آگے کی وہ ہر ایک دکاں ہے
اُٹھ اُٹھ کے دکھاتے ہیں اُنھیں حال وہ اپنا
دربار رو اُس عہد میں جو خورد و کلاں ہے
یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر ایک پالکی آگے

اس وجہ سے رسالے کا رسالہ ہی رواں ہے
کوئی سر پہ کیے خاک کوئی چاک گریباں
کوئی رووے ہے منہ پیٹ کوئی نعرہ زناں ہے
ہندو و مسلماں کو پھر اُس پالکی اوپر
ارتھی کا توہم ہے جنازے کا گماں ہے
یہ مسخرہ گی دیکھ کے جا صاحبِ ارتھی
کرتے ہیں جو واں عرض تو نے نا و نہ ہاں ہے
گر ہوجیے جاکر کسی عمدہ کے مصاحب
اُس کی تو اذیت بڑی ہی آفتِ جاں ہے
وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دو زانو
کیسا ہی اگر اپنے تئیں خوابِ گراں ہے
بے وقت خورش اُس کے جو ہو اپنے تئیں بھوک
سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے
گھڑیال کی چپ بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں
اور ریگ خلا رودوں میں جوں اسپ دواں ہے
خمیازہ پہ خمیازہ ہے اور جرت اوپر جرت
منہ صورت سوفار، کمر شکل کماں ہے
صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
سو دو سو روپیہ کا جو کسی عمدہ کے ہاں ہے
صحبت ہے یہ اُس سے کہ اگر آقا کے تئیں چھینک
آوے تو وہ اُس کو بخشونت نگراں ہے
دیتے ہیں منگا تیر و کماں ہاتھ میں اُس کے
ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اس وقت گماں ہے

اور ماحضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے
کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے
مطبوخ میں ہے خرپزہ اور خرپزہ پر دودھ
ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپر گاؤ زباں ہے
یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلی
اس سب پہ تفنن کے لیے بیسنی ناں ہے
اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں اس کے
پھر بوعلی سینا ہے تو وہ ہیچ مداں ہے
رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
کر نوکری سمجھو تو طبابت کی کہاں ہے
سوداگری کیجیے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجیے منزل
ہر شام بہ دل وسوسۂ سود و زیاں ہے
لے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دے جنس
یہ درد جو سنیے تو عجب طرفہ بیاں ہے
قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدی کا گماں ہے
جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق
پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے
پروانہ لکھا کرگئے عامل کنے جس وقت
کہتا ہے وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے
اودھر سے پھر آئے تو کہا جنس بھی لے جا

دیوان بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہر ایک متصدی سے میاں اور تیاں ہے
ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے
دو بیل کی جاکر جو کہیں کیجے کھیتی
اور مینہ بھی موافق ہی پڑے پھر تو سماں ہے
ہیں خشکی و غرقی کے تفکر میں شب و روز
نے امن ہے دل کے تئیں نے جی کو اماں ہے
گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت
اُس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے
ہر عمدہ کے دروازہ پہ زیں پوش پہ بیٹھا
پوچھے ہے اجی مرد ہے جی نواب کہاں ہے
ہر گھر میں وہ چاہے کہ میں فوارہ سا چھوٹوں
ہر کوچہ میں جو آب چکا پودہ رواں ہے
دیوان کے، بخشی کے، بیوتات کے حاضر
مانند کنہیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے
ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے
لاوے جو کچہری سے وہ داموں کا سیاہا
للچاوے موکل کو یہ کیا خوب مکاں ہے
سو ماہی یہ بیٹھی ہے ولے پانسو ہے خرچ
اور زر کے اجارے کی بھی اردو میں دکاں ہے

بتادے غرض پیسے اُڑاکر ہوا روپوش
گھر جاکے پکارے جو کوئی لالہ کہاں ہے
جس وقت سنا یہ وہیں آواز بدل کر
آپ ہی کہا گھر میں سے کشن چند کے یاں ہے
پھر ہو جو موکل سے کہیں راہ میں بھیا
استاد کا جاگیر کی یہ اس سے بیاں ہے
عرضی پہ ہوا میم سیاہے پہ ہوا جیم
پروانہ میں تم پر ہوں تصدق مری جاں ہے
کاہے کی غرض عرضی و کاہے کا سیاہا
کیدھر کا وہ پروانہ وہ جاگیر کہاں ہے
انصاف جو کیجیے تو نہیں اُس کی بھی تقصیر
سب ماحصل ان باتوں کا اک پرچہ ناں ہے
شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر، تردد کوتویاں ہے
مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس
ملتا انھیں اس سے جو فلاں ابنِ فلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھیں جاکے دوگانا
نیت قطع تہنیتِ خانِ زماں ہے
تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سنیں نطفہ خاں ہے
اسقاط حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے
مُلائی اگر کیجیے تو ملا کی ہے یہ قدر

ہوں دو روپیہ اُس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے
اور ماحضر اخوند کا اب کیا میں بتاؤں
یک کاسۂ دالِ عدس و جو کی دو ناں ہے
دن کو تو وہ بے چارہ پڑھایا کرے لڑکے
شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُس کے
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
بھاگے یہ عمل کر جو وہ شیطان کا لشکر
دیوالے کو لے ہاتھ تعاقب میں رواں ہے
اب کیجیے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے
جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحہ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیت ٹکے سیکڑا لکھنے کو ہے محتاج
خوبی میں خط اب جس کا بہ از خطِ بتاں ہے
یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ
آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے
احیا ہو جو موتی کا زمانے میں نئے سر
خطاط کی اُتنی بھی رہی قدر کہاں ہے
ہوتا ہے ٹکے چار کو بازار میں ہدیہ
یاقوت پکارے جو بکاؤ قراں ہے
دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلہ کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوی شیخ بنے بہر فراغت
چھٹتے ہی تو شعرا کا وہ مطعونِ زباں ہے
دیتا ہے دُمِ خر سے کوئی شملہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے
اور اُس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت
اس فکر و تردد ہی میں ہر ایک زماں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی
لے خیلِ مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے
ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے ہے کوئی روئے کوئی نعرہ زناں ہے
بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر
سرگوشیوں میں پھر مدّاصوی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی خس خس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یا رقص زناں ہے
اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے
سب پیشہ کو تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو تو یہ سمجھے ہے نکھٹو یہ میاں ہے
اور بیٹے کے دل کو ہے خرافت کا تیقن
بیٹی کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے
جب دیکھا کہ اب لڑکے لگے بھوک سے مرنے

ہر خان و خوانین کے ہمراہ رواں ہے
جب راہِ خدا پیسے نکالے کوئی نواب
تب اُن کی سفارش میں.اُسے رقعہ خاں ہے
مضموں ہے یہی رقعہ کا کچھ دیجیے اس کو
مداح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے
بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھیو تو راحت جاں ہے
ٹک دیکھ لے منصور علی خاں جی کا احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے
آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیتِ خاطر کسی صورت سے کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
سو اس پہ تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گوینده ہی کا محض گماں ہے
یاں فکرِ معیشت ہے وہاں دغدغہ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

مخمس شہر آشوب مرزا رفیع السودا

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانوا ڈول
پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے کہ اس کا جواب ہیں دو بول
اگر کہوں میں تو سمجھے گا تو کہ یہ ہے ٹھٹھول

بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

سپاہی رکھتے ہیں نوکر امیر دولت مند
سو آمد اُن کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص تھا بائیس صوبوں کا خاوند
رہی نہ اُس کے تصرف میں فوجداریٔ کول

قوی ہیں ملک میں مفسد امیر ہیں سو ضعیف
نکلے کہاں جو انھیں دے کے ہوں اُنھوں سے حریف
جو عامل اب ہیں محالات پر سویوں ہیں خفیف
نہ کچھ ربیع میں حاصل نہ کچھ میانِ خریف
کہ جس طرح کسی حاکم کے گھر گنوار ہو اول

بس ان کا ملک میں کار نسق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ زر ہو زراعت میں تو نہ دیں پر کاہ
جگہ وہ کون سی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں ہے آویں پیادے کریں جو پیشِ نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندھ کے غول

رہی فقط عربی باجوں پر انھوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجواویں وہ تو کیا امکان
پر اُن کو فکر ہے تخفیف خرچ کا ہر آن
رہے گا حال اگر ملک کا یہی تو ندان
گلے میں تاشہ کہاروں کے پالکی میں ڈھول

انھیں ہے اپنی عمارت سے اب یہی منظور
کہ ہوں دو مورچھل اور ایک کا بنے سمور

نہ رسم صلح کی سمجھیں نہ جنگ کے دستور
جو اُن میں قاعدہ داں تھے ہوئے وہ ایسے دور
قماش ان کی طبیعت کا ہر طرح سے ٹٹول

امیر اب جو ہیں دانا انھوں کی ہے یہ چال
ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانے کا حال
بچھی ہے سوزنی خوجا کھڑا جھلے ہے رومال
حضور بیٹھے ہیں دو اک ندیم اہلِ کمال
دھری ہے روبرو اک پیک داں اک تنبول

جو کوئی ملنے کو اُن کے انھوں کے گھر آیا
ملے یہ اُسے گر اپنا دماغ خوش پایا
جو ذکر سلطنت اس میں وہ درمیاں لایا
انھوں نے پھیر کے اُدھر سے منہ یہ فرمایا
خدا کے واسطے بھائی کچھ اور باتیں بول

جو مصلحت کے لیے جمع ہوں صغیر و کبیر
تو ملک و مال کا فکر اس طرح کریں ہیں مشیر
وطن کو پہنچے کی سوجھے ہے بخشی کو تدبیر
کھڑا یہ اکلے دیوانِ خاص بیچ وزیر
کہ شامیانے کے بانسوں پہ روپے کے ہیں خول

خجل ہو یہ نہ سمائے زمیں بہت پھاٹی
گئے وہ مشورہ میں کھیلیں جو سوا پاٹی
تمام عمر ہی تدبیر ملک میں کاٹی
ندان کر اٹھے مل کر گھر اینٹ کا ماٹی
پھر اپنے زعم میں ہر ایک برائے خود بہلول

پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو روتی پھرے لڑائی سے
پیادے وہ جو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چار پائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا انھوں کے بیچے الول

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاہی تا متصدی سبھوں کو بیکاری
اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی پھاڑ کر کے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کنڈول

یہ جتنے نقدی جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈھلیتی انھوں نے کی ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دی سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے ہیں لے کے وہ ہتھیار
بغل کے بیچ تو سوٹا ہے ہاتھ میں کچکول

کروں معاش کا حضرت کے تجھ سے کیا میں بیان
کہ توشہ خانہ ہے اُن کا پراچہ کی دکان
نکل تنور کے منہ سے کہے ہے گاو زبان
بکی ہوں تب میں کہ جب کا تیٔ خلد مکان
بکے ہے تیسرے فاقہ میں کوڑیوں کے مول

کہو جو مودی سے جاکر دواب[1] کے حالات
جواب دے وہ کہ ہیں اونٹ تو فرشتہ کی ذات

---

[1] دابہ کی جمع: چوپائے، مویشی

ہوا پہ چلتی ہے بیلوں کی اور بھُس پہ برات
جو مچھریں ہیں پیا ہے انھوں نے آبِ حیات
تمھارے کھانے کو دانہ کہو تو دیجیے تول

جو اصطبل میں کئی گھوڑے ہیں تو کیا امکان
کہ ہووے گھانس کے پتے کا اُن کے آگے نشان
کسو کی ٹوٹی ہے لنگوی کسو کا جھڑ گیا کان
طویلہ اُس کو کہوں یا کہ پچ پیر کا تھان
اسی خیال میں رہتی ہے عقل ڈانواں ڈول

اور اب جو زعم میں آقا کے فیل خانہ ہے
جو ہتھنی اندھی ہے اُس میں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھور چارے کا، راتب کا نے ٹھکانا ہے
ہر ایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے
اب اُس کو خواہ تو پائل سمجھ لے خواہ مجھول

کریں ہیں بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش
کہیں پلاو تو باورچی وہاں پکاویں آش
کریں قناتوں میں دربان بیٹھے پردہ فاش
تلے سے ان کے نہ مسند کو کھینچ لیں فراش
اگر کہیں کہ مٹا اٹھ کے چاندنی کا جھول

یہ خادمانِ محل کی ہے ان دنوں صورت
نہ خوان ڈھونے کا کشمیرنی میں باقی ست
نہ اٹھ کے ہلنے کی ہرگز نہ روانے میں طاقت
بنی ہے بھوک سے درباریوں کے یہ منہ کی گت

کہ بوڑھی ہتھنی کے جس طرح بیٹھ جائیں کپول

مچا رکھی ہے سلاطینوں نے یہ توبہ دھاڑ
کوئی تو گھر سے نکل آئے ہے گریباں پھاڑ
کوئی در اپنے پہ آوے دے مارتا ہے کواڑ
کوئی کہے جو ہم ایسے ہی چھاتی کے ہیں پہاڑ

تو چاہیے کہ ہمیں سب کو زہر دیجیے گھول

غرض مآل ہے اس گفتگو سے یہ میرا
کہ بے زری نے گھر ایسا جب آن کر گھیرا
تو کوئی قصد کرے نوکری کا بہتیرا
نہیں ہے فائدہ کچھ تا وہ چھوڑکر ڈیرا

کرے نہ عزم سوئے اصفہان و استنبول

جو نوکری ہے کہیں زیر چرخ نیلی فام
سو جائداد کا اُس کی ہے پرگنہ نیلام
وبا کا جیسے ہے دارالخلافہ میں ہنگام
گھروں کی ضبطی کا حکم اس قدر ہوا ہے عام

ادھر کسی کا دکھا سر اُدھر سے دوڑے قول

سو کیا وہ نوکری کٹتی ہو جس میں یہ اوقات
ملے ہے پیٹ کو روٹی سو رو رو آدھی رات
جو چاہیں تن ڈھپے اُس میں سو آگے پیچھے پات
اور اُس پہ یہ ہے کہ ہر روز ٹھہرے موجودات

جو پانچوں باندھے ہتھیار اور چھٹی پستول

وہ نوکر اب جسے آقا ہر آن پہچانے
جو پوچھو اُس سے کہ تم کچھ روپے لگے پانے

کہے ہے آہ وہ بھر کر سوائے آٹھ آنے
روپیہ کی شکل تو دیکھی نہیں خدا جانے
کہ اس زمانہ میں چپٹا بنے ہے یا وہ گول

غرض کہ جب کہیں ملتا ہو پاؤ بھر بھی چون
کرے وہ نوکری جس کو کہ ہووے خبط و جنون
یہ سمجھو کہ نہیں جب سپہ گری کے فنون
نئے تو سیکھ کے یوں باندھنے لگے مضمون
زمانہ دیکھ کے ہتھیار ہم نے ڈالے کھول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اُس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہر نماز
تو واں چراغ نہیں ہے، بجز چراغ غول

کسی کے یاں نہ رہا آسیا سے تا بہ اجاغ
ہزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے ہے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر ہے گھروں کے غم سے داغ
اور اُن مکانوں میں ہر سمت رینگتے ہیں الاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر ہنڈول

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتی تھی بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس
بجائے گل چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھا گئی کس کی نظر نہیں معلوم
نہ جانے کس نے رکھا یہاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں سرو صنوبر وہاں اُگے ہے زقوم
مچی ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھے کلول

رکھیں تھے سیر یہ پنگھٹ کے گرد کے دیہات
کہ لب جہاں کے تھے پنہاریوں کی آب حیات
اور اُن درختوں کی وہ چھائیں اور گھنے سے پات
نہ وہ درخت ہیں اب واں نہ آدمی کی ذات
کنویں میں مردے پڑے ہیں نہ رسیاں ہیں نہ ڈول

جہان آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھی کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اٹھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

دیا بھی واں نہیں روشن تھے جس جگہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانہ کے مانوس
کروڑ دل پر از امید ہوگئے مایوس
گھروں سے یوں نجباء کے نکل گئے ناموس
ملی نہ ڈولی اونہیں جو تھے صاحب چو ڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقعہ سر پہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول
ہے ایک گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور اُن کی حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول

کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجے مول

اگر محبت ہوا مستمع تو سن یہ نام
دیا کچھ اُس نے بہ مقدور کرکے نذر امام
پڑا جو شامت طالع سے خارجی سے کام
دروغ و راست کا لایا وہ درمیان کلام
یہ آگے اور چلیں کہہ کے زیر لب لاحول

غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کروڑ مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو ٹک بھی امن دل اپنے کو دیوے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ رویئے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول

بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں ہے کہ اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

قطعہ مرزا رفیع السودا

باغ دلی میں جو اک روز ہوا میرا گزر
نہ وہ گل ہی نظر آیا نہ وہ گلشن نہ بہار
نخل بےپت جھڑ ہوئے اور سوکھی پڑی ہیں روشیں
خاک اُڑتی ہے ہر اک طرف پڑے ہیں خس و خار

مسکراتا تھا جہاں غنچہ وہ گل ہنستا تھا
اشک شبنم کے بھی قطرہ کا نہیں واں آثار
جس جگہ جلوہ نما رہتے تھے سرو و شمشاد
مشت پر قمری کے اُس جا نظر آئے یک بار
دیکھتا کیا ہوں مگر سوکھے سی اک شاخ اوپر
عندلیب ایک ہے بے بال و پر و دل افگار
بہ دم سرد و بہ صد حسرت و صد سوز جگر
دیکھ کر سوئے چمن کہتی ہے با نالۂ زار
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

دویمی شرارہ

از نتائج افکار عمدۃ العلما زبدۃ الفضلا مولوی محمد صدر الدین خاں بہادر متخلص بہ آزردہ کہ شاعری دون مرتبہ اوست از اکابر ایں شہر لطافت بحر است، یارب ایں برگزیدۂ روزگار کہ باعث رونق دہلی است عمر جاودانی یابد و بر خضر و مسیحا رشک افزاید

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی
واں کے اعمال سے دلّی کی بھی شامت آئی
روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی
کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی
گوش زد تھا جو فسانوں سے وہ آنکھوں دیکھا
جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں دیکھا
جن کو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا
اہل نااہل سے خلطہ انھیں زنہار نہ تھا

ان کی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا
آدمی کیا ہے فرشتہ کا بھی واں بار نہ تھا
وہ گلی کوچوں میں پھرتے ہیں پریشان در در
خاک بھی ملتی نہیں ان کو کہ ڈالیں سر پر
زیور الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا
بھاری جھومر بھی کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا
کانچ کا جن سے دوپٹہ نہ سنبھالا جاتا
لاکھ حکمت سے اُڑھاتے نہ اُوڑھا جاتا
سر پہ وہ بوجھ لیے چار طرف پھرتے ہیں
دو قدم چلتے ہیں مشکل سے تو پھر گرتے ہیں
طبع جو گہنے سے پھولوں کی اذیت پاتی
مہندی ہاتھوں میں لگا سوتے تو کیا گھبراتی
شام سے صبح تلک نیند نہ ان کو آتی
ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی
ان کو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
سنگ پہلو سے اٹھایا تو سرہانے رکھا
جن کو بن دوش پرستار نہ چلتے دیکھا
صبح سے شام تلک عطر ہی ملتے دیکھا
کبھو بیدار نہ سورج کے نکلتے دیکھا
پاؤں داب پہ بھی کروٹ کو بدلتے دیکھا
وہ ہیں اور دشت ہیں اور کوہ ہیں اور نالے ہیں
قدم اُٹھتا نہیں پاؤں میں پڑے چھالے ہیں
عیش و عشرت کے سوا جن کو نہ تھا کچھ بھی یاد

لٹ گئے کچھ نہ رہا ہوگئے بالکل برباد
ٹکڑے ہوتا ہے جگر سن کے یہ ان کی فریاد
پھر بھی دیکھیں گے الٰہی کبھو دہلی آباد

کب تلک داغِ دل اک ایک کو دکھلائیں ہم
کاش ہوجائے زمین شق تو سما جائیں ہم

روک سکتے نہ تھے جس بات پہ وہ اڑتے تھے
صلح سے زیادہ مزا تھا جو کبھی لڑتے تھے
پاؤں رکھتے تھے کہیں اور کہیں پڑتے تھے
آنچلوں سے زرے مقیش پڑے جھڑتے تھے

ان کو رونے کو سوا شغل نہ کچھ رہتا ہے
ایک دریا ہے کہ آنکھوں سے پڑا بہتا ہے

عطر صندل میں جو دامن کو بسایا کرتے
کنٹھے موتی کے گریباں میں لگایا کرتے
بیٹھ خلوت میں جو زلفوں کو بنایا کرتے
یہ سنگار آیئنے کو بھی نہ دکھایا کرتے

اب نہیں کچھ بھی انھیں زلف پریشاں کی خبر
نہ گریبان کی خبر اور نہ دامان کی خبر

روز بن ٹھن کے نکلنا وہ جوانوں کا کہاں
بیٹھنا ناز و ادا سے وہ دکانوں کا کہاں
شور ہر کوچے سے ٹپوں کی وہ تانوں کا کہاں
لطف ساقی کا مزہ اور وہ گانوں کا کہاں

وہ مغنی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا
دھوتی بندوں کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا

شکل ایسی کہ خدا اُس کو نہ پھر دکھلادے
اُن کی پوشاک کو گر دیکھیں تو پھر تے آوے
نظر آجائیں اگر وہ سر راہے گاہے
خون اپنا کریں یا اُن کا یہی جی چاہے
جن کے ہاتھوں سے نہ لیں بیر بھی دو کوڑی کے
چاندنی چوک میں پھرتے ہیں وہ البلے گہلے

روز وحشت مجھے صحرا کی طرف لاتی ہے
سر ہے اور جوش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے
ٹکڑے ہوتا ہے جگر جی ہی پہ بن جاتی ہے
مصطفیٰ[1] خاں کی ملاقات جو یاد آتی ہے
کیوں کہ آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی[2] ہو

نوحہ گری دموبہ سرائی در پردۂ مناجات سخن پیوند معنی بند شاعر نازک خیال قاضی فضل حسین خاں صاحب المتخلص بہ افسردہ خلف قاضی علی خان مرحوم از بزرگ زادگان اہل دہلی است و بزرگی خانوادہ شان ازہمیں لفظ پیدا و ہویدا است

ہر طرف سے ہے برتی بے کسی   رات دن کا ہوگیا رونا ہنسی
ہے ہجوم درد و غم اور بے بسی   موت کو سمجھا ہوں اب مطلب رسی
اے کہ از وضع تو چرخ انگارۂ
درد بیدرمان مارا چارۂ
ایک تو اندیشۂ روزِ جزا   اک غم بربادیِ عالم سرا
اور پھر رنج اپنے مال و جان کا   یارب اس طوفان سے تو ہی بچا

---

1 مصطفیٰ خاں شیفتہ 2 امام بخش صہبائی

ہم تو ے ایں جا و آں جا دادرس
من ندارم در دو عالم جز تو کس
ہائے کیا دہلی پر آفت آگئی چین سے بیٹھے تھے شامت آگئی
سر پہ عالم کے مصیبت آگئی فوج کیا آئی قیامت آگئی
وقت تنگ آمد ترحم یا رحیم
لطف کن بر دردمندانِ سقیم
تھی یہ دہلی رشک گلزار ارم خاک سے تھا جس کی بنتا جام جم
ہوگئی برباد ویراں ہے ستم ہے یہ وہ غم جس پہ خود رو دیوے غم
بازش از لطف و کرم آباد کن
ساکنانش را خدایا شاد کن
آشنائے قلزم عیش و طرب ہوگئے سب غرقِ دریائے تعب
جوششِ گریہ ہے جوشِ خندہ لب چشم تر ہے جوں حباب بحر اب
از کجا ایں سیل آفت در رسید
کایں چنیں چشم فلک طوفاں ندید
بانٹتے تھے رات دن جو سیم و زر پھینکتے تھے کوڑیوں کی جا گہر
مانگتے پھرتے ہیں اب وہ در بدر رکھتے ہیں جائے درم داغ جگر
الکرم العفو اے رب العلا
از طفیل حضرتِ خیرالورا
جن کو گھر بیٹھے تماشے تھے ہزار پھرتے ہیں وہ در بدر رسوا و خوار
عیش و عشرت تھا جنھیں لیل و نہار یوں خزاں اب ہوگئی اُن کی بہار
عفو کن گر جرمے از کس سرزند
یارب آں کن کاں بہ قوت سے سزد
داغِ غم سینے پہ کھائے بیٹھے ہیں فکر میں سر کو جھکائے بیٹھے ہیں

تھا جو سرمایہ لٹائے بیٹھے ہیں ہاتھ دنیا سے اٹھائے بیٹھے ہیں

رحم کن بر بیکساں اے داد رس
آہ از دل بر لب آید ہر نفس

کی خدا نے یہ دعا بارے قبول ہوگیا کافور ایک اک بوالفضول
یعنی پھر حکام عادل کا نزول ہوگیا تسکینِ دلہائے ملول

کرد ہر کس شکر رب العالمیں
شد رہا از بند غم جانِ حزیں

پھر گیا پھر آسمان پُرجفا مخبروں نے کردیے فتنے بپا
بے گنہ اور با گنہ پکڑا گیا جس کی جو قسمت میں لکھا تھا ہوا

نیست شکوہ از سپہرِ فتنہ جو
آنچہ در تقدیر بود آمد برو

اور ایسے فتنوں سے جو ڈرتے تھے دم بہ دم توبہ کا وہ دم بھرتے تھے
پاس و حفظِ آبرو کو مرتے تھے عمر کے دن اپنے پورے کرتے تھے

پادشاہا لطف کن بر ایں کساں
ہم بحفظ و ظلِ خود بخشی اماں

مدتوں کے بعد پھر فتنہ مٹا قید سے چھوٹے اسیرانِ بلا
اب اُسے حاکم سے ملتی ہے سزا جو ستاتا ہے کسی کو بے خطا

امن دہ اے داور روزِ جزا
بے خطا را کن اسیرِ صد جفا

ابرِ حسرت دل پر اپنے چھا گیا یاں تو حسرت کو بھی رونا آگیا
ہائے قاضی اپنا پھانسی پاگیا عمر بھر افسردہ کو رُلوا گیا

آنچہ بر من کرد چرخ بد نہاد
ایں چنیں اندوہ کافر را مباد

مجھ سا دنیا میں نہیں اندوہ گیں　　شغل کوئی مجھ کو جز ماتم نہیں
جانِ سنگیں رکھتا ہوں، دل آہنیں　　ورنہ مرجاتا تڑپ کر بالیقیں
یا الٰہی لطف کن برحالِ ما
رحمتِ خود بیں، مبیں اعمالِ ما

غیرتِ باغِ جناں یہ شہر تھا　　یک بہ یک برباد جو ایسا ہوا
انتقام عیش و عشرت ہوچکا　　اب یہ ہے ہر شخص کی ہر دم دعا
لطف کن بر اہلِ دہلی اے خدا
تاکہ باشد آب و آتش را بقا

دل کو افسردہ کے خوش کر اے خدا　　رات دن یہ رنج میں ہے مبتلا
در پے ایذا ہیں حاسد جا بجا　　دامِ مکر و کینہ سے اُن کے بچا
ہر بلائے صعب از وے دور دار
دشمنش را از غضب مقہور دار

مسدس شہر آشوب تصنیف تشنہ مرد آزاد وضع است و آزادانہ بسر می برد از شاگردان شیخ محمد ابراہیم ذوق است نامش محمد علی است فکر رسا میدارد

عجیب کوچہ رشکِ جناں تھا دہلی کا　　بہشت کہتے ہیں جس کو مکاں تھا دہلی کا
دماغ بر سر ہفت آسماں تھا دہلی کا　　خطاب خطۂ ہندوستاں تھا دہلی کا
غضب ہے اُس کو کوئی شادماں نہ دیکھ سکا
زمین نہ دیکھ سکی آسماں نہ دیکھ سکا

ہزاروں زلفِ پری وش کے یاں تھے سودائی　　ہزاروں میکش و میخوار و مست و صہبائی
شراب عیش پلاتا تھا چرخِ مینائی　　قبول کرتے تھے اس در کی سب جبہ سائی
جو آتا تھا سو وہ ہو رہتا تھا اسی گھر کا
زمیں کی ناف ہے کعبہ ہے بطن مادر کا

یہاں کی خاک میں کیفیت ابرِ باراں کی　　یہاں کے آب میں تاثیر آبِ حیواں کی
یہاں کی بادِ بہاری ہوا زمستاں کی　　یہاں کی آگ میں گرمی تھی شعلہ رویاں کی
ہر ایک شخص کے حق میں یہ شہر اچھا تھا
مریضِ عشق کے بھی واسطے مسیحا تھا

وہ تختِ سلطنت و بارگاہِ سلطانی　　کہ جس میں بیٹھتے تھے آ کے ظلِ سبحانی
پروں سے سر پہ ہما کرتا تھا مگس رانی　　بجا اس اوج پہ تھا دعویٔ سلیمانی
ہر ایک قصر کو دعویٰ تھا طاقِ کسریٰ کا
دماغ عرش پہ تھا قلعۂ معلیٰ کا

کسی زمانے میں ایسا تھا یاں کا تخت نشیں　　خراج دیتے تھے سب بادشاہِ روئے زمیں
خطا و ملکِ ختن سب تھے اُس کے زیرِ نگیں　　تمام کانپتے تھے اُس سے چین اور ماچیں
دیارِ ہند تھا مشہورِ خلق نام اس کا
چراغ روم سے جلتا تھا تا بہ شام اس کا

زحل کی آنکھ پڑی اتفاق سے ناگاہ　　تمام ہوگیا تاراج ملک و مال اور جاہ
گدا سے ہوگئے بدتر غریب شاہنشاہ　　رعیت ان کی ہوئی اس سے بھی زیادہ تباہ
وہ ساہوکار نہ تھا جس کی ساکھ میں بٹا
اب اُس کے نام پہ لگتا ہے لاکھ میں بٹا

یہ لوگ کہنے لگے آگ اس وطن کو لگے　　نظر نہ ایسی الٰہی کسی چمن کو لگے
سنانے اہلِ سخن صاحبِ سخن کو لگے　　جو ایک تار بھی باقی ہو تو کفن کو لگے
تمام شہر تلنگوں نے آ کے لوٹ لیا
مثل ہے بھوکوں کو ننگوں نے آ کے لوٹ لیا

ملا یہ حکم کہ سب لوگ یاں سے ٹل جاویں　　اسی میں خیر ہے جو شہر سے نکل جاویں
دبے ہیں نیچے تو دکھلا کے یاں بغل جاویں　　جو کچھ ہو چھوڑ یہاں صاحبِ دول جاویں

نہ سر پہ ٹوپی ہے اُن کے نہ پاؤں میں جوتی
بغل میں طوطی کا پنجرہ 'نبی جی بھیجو جی'

میانِ راہ کھڑے تھے وہ رہزن بے پیر   کہ جن کے ہاتھ میں لاٹھی تھی مثل گرزِ کبیر
یہ کہہ رہے تھے کہ آگے بڑھو صغیر و کبیر   کہاں سے کھینچ کے لائی تمھیں کہاں تقدیر
سب اُن کے خوف سے کرتے تھے آہ و نالے لوگ
مثال غول بیاباں تھے گانو والے لوگ

گرہ ٹٹولے کسی کی کمر پہ ڈالا ہاتھ   ہر ایک مضطر و خستہ جگر پہ ڈالا ہاتھ
پدر کو چھوڑ دیا تو پسر پہ ڈالا ہاتھ   جو سر برہنہ تھا اُس کے بھی سر پہ ڈالا ہاتھ
الٰہی ہاتھ نہ ٹوٹے ستم شعاروں کے
کہ ہاتھ دھو کے پڑے پیچھے خاکساروں کے

چھڑایا اُن سے جو دامن تو لپٹے خارِ دشت   بجائے سرمہ لگا آنکھ میں غبارِ دشت
نہیں تھے قیس کی مانند خاکسارِ دشت   دیارِ ہند چھٹا اور ملا دیارِ دشت
جنھوں نے ڈھوئے تھے پتھر نہ کوہکن کی طرح
وہ خاک چھانتے بن بن پھرے ہرن کی طرح

یہاں جو آن کے دیکھے تو دار کی صورت   وہ دار کہیے جسے ذوالفقار کی صورت
مٹا دی چشم زدن میں ہزار کی صورت   نظر پڑی نہ کسی بے قرار کی صورت
برنگِ تیر شہاب آگ میں جلے لاکھوں
سپرد دار و رسن ہو گئے گلے لاکھوں

مکاں کو آ کے جو دیکھا تو لامکاں ہے وہ   جہاں نہ چڑیا بھی بیٹھے اب آشیاں ہے وہ
جو شہر یار کو پوچھا کہو کہاں ہے وہ   تو یہ سنا کہ کھنڈر دیکھ لو نشاں ہے وہ
نہ اہلِ شہر رہے اور نہ شہریار رہا
رہا تو نام ہی خالق کا برقرار رہا

رہی نہ جنس محبت کی اب خریداری — جو یوسف آئیں نہ ہو تو بھی گرم بازاری
اٹھائے کون حسینوں کی ناز برداری — لگائے دل کو کوئی جان کس کو ہے بھاری
بقول شخص عجب ملک حسن بستی ہے
کہ دل سی چیز یہاں کوڑیوں کو سستی ہے

کسی کا دل نہیں اس درد میں ٹھکانے سے — رہا نہ گانے سے شوق اور نے بجانے سے
غرض نہ غیر سے مطلب نہ ہے یگانے سے — وفا و مہر تلک اُٹھ گئی زمانے سے
کہاں سے لائیں وہ پہلی سی اب ادا معشوق
اسی سبب سے ہیں مشہور بے وفا معشوق

کوئی فقیر جو کوڑی دکان مانگے ہے — تو اس کو کہتے ہیں کیا تو برآن مانگے ہے
تیری طرح سے یہاں سب جہان مانگے ہے — چل اپنی راہ لے کیا ہم سے دان مانگے ہے
جو مال بڑھتا ہی جاتا تھا گھٹ گیا بالکل
دکانداروں کا طبقہ اُلٹ گیا بالکل

کوئی کہے کہ تپ غم کی بسکہ شدت ہے — تو یوں کہیں کہ ہمیں آپ ہی حرارت ہے
چڑھا ہوا ہے بخار آج کل یہ نوبت ہے — تم اپنا کام کرو جاؤ تم کو صحت ہے
مریض جا کے کرے کیا کہ طعن کرتے ہیں
طبیب اپنا مرض خود بیان کرتے ہیں

یہ شعر کہتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں — وہ بیٹھے رہتے ہیں آتے ہیں اور نہ جاتے ہیں
جو قدرداں نہیں اپنا کسی کو پاتے ہیں — تو دل ہی دل میں وہ خون جگر کو کھاتے ہیں
غزل کا ذکر نہ پُرچا کسی یگانے سے
مذاقِ شعر و سخن اٹھ گیا زمانے سے

مسدس شہر آشوب نواب مرزا صاحب دہلوی متخلص بہ داغ جوانِ خوش فکراست
وزانوے تلمذ بخدمت شیخ محمد ابراہیم ذوق تہ کردہ ودر ریختہ گویاں طبع معنی یاب
می دارد واکثر سخن بطرز استادی راند

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلی بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی
جواب کا ہے کو تھا لاجواب تھی دلی مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی
پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہ شہر وہ ہے کہ ہر انس و جان کا دل تھا یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدردان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہان کا دل تھا
رہی نہ آدمی یہاں سنگ و خشت کی صورت
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

یہاں کی شام تھا مانندِ صبح نورانی یہاں کے ذرّے میں تھی مہر کی درخشانی
یہاں کے سنگ سے تیرہ تھا لعل رمانی یہاں کی خاک سے ہوتا تھا آئینہ پانی
یہ شہر وہ ہے کہ سایہ بھی نور تھا اس کا
چراغ رشک تجلیِ طور تھا اس کا

فلک تھا خوبیِ حسن و جمال کا دشمن صباح عشرت و شامِ وصال کا دشمن
عدوے اہلِ کمال اور کمال کا دشمن غرض کہ اب تو ہوا جان و مال کا دشمن
یہ مفت بر جو تلاشی ہے نقد جان کے لیے
خضر بھی روئیں گے اب عمرِ جاوداں کے لیے

خدا پرستی کے بدلے جفا پرستی ہے جو مال مست تھے اب اُن کو فاقہ مستی ہے
بجائے ابرِ کرم مفلسی برستی ہے بہ تنگ جینے سے ہیں ایسی تنگ دستی ہے
غضب میں آئی رعیت بلا میں شہر آیا
یہ پوربی نہیں آئے خدا کا قہر آیا

زباں سے کہتے ہوئے دین دین آئے لعین جو مانا دین تھا کوئی تو کوئی گنگا دیں
یہ جانتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دین متیں کیے ہیں قتل زن و بچہ کیسے کیسے حسیں
روا نہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا
غرض وہ کام کیا، کام ہی تمام کیا
فلک نے قہر و غضب تاک تاک کرڈالا تمام پردۂ ناموس چاک کرڈالا
یکایک ایک جہاں کو ہلاک کرڈالا غرض کہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کرڈالا
جلیں ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچی ہیں کانوں پہ جو پتیاں گلاب کی تھیں
عجیب شکل گل و گلستاں نظر آئی پڑیں جدھر کو نگاہیں خزاں نظر آئی
جب اُٹھ کے تا مژۂ خونچکاں نظر آئی تو کوئی عیش کی صورت نہ یاں نظر آئی
وہ گل رخانِ سمن بر کے قہقہے نہ رہے
وہ بلبلانِ خوش الحاں کے چہچہے نہ رہے
کھلایا زہر ستمگر نے پان کے بدلے پلایا خونِ جگر پیچوان کے بدلے
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے ملا نہ گور گڑھا بھی مکان کے بدلے
عداوتِ فلکِ کینہ ساز تو دیکھو
اور اُس پہ اس ستم آرا کے ناز تو دیکھو
لہو کے چشمے ہیں چشم پُر آب کی صورت شکستہ کاسۂ سر ہیں حباب کی صورت
لٹے ہیں گھر دل خانہ خراب کی صورت کہاں یہ حشر میں تو یہ عذاب کی صورت
زبان تیغ سے پرسش ہے داد خواہوں کی
رسن ہے طوق ہے گردن ہے بے گناہوں کی
زمیں کے حال پہ اب آسمان روتا ہے ہر اک فراقِ مکیں میں مکان روتا ہے
کہ طفل و عورت پیر و جوان روتا ہے غرض یہاں کے لیے اک جہان روتا ہے
جو کہتے جوشش طوفاں نہیں کہی جاتی

یہاں تو نوح کی کشتی بھی ڈوب ہی جاتی

برنگ بوئے گل اہلِ چمن چمن سے چلے　　غریب چھوڑ کے اپنا وطن وطن سے چلے
نہ پوچھو زندوں کو بے چارے کس چلن سے چلے　　قیامت آئی کہ مردے نکل کفن سے چلے

مقامِ امن جو ڈھونڈا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا کی پناہ بھی نہ ملی

یہ خاصیت تو نہ رکھتی تھی زہر کی گرمی　　یہاں تھی شعلہ عذارانِ شہر کی گرمی
نہ دیکھیں جو نگہ خشم و قہر کی گرمی　　اٹھائیں ہائے وہ جلتی دوپہر کی گرمی

تپش سے ریگِ بیاباں آفتاب ہوئی
زمیں مگر کرہ نار کا جواب ہوئی

جگہ جگہ تھے زمیندار دار کی صورت　　چڑھے ہی آتے تھے سر پر بخار کی صورت
بلا سے کم نہ تھی ہر اک گنوار کی صورت　　چھپی نہ ان سے پر اہلِ دیار کی صورت

کسی جگہ جو کوئی ہو کے بے قرار آیا
تو اہلِ قریہ یہ بولے کہ لو شکار آیا

زبان بدلیں تو صورت بدل نہیں آتی　　ملیں جو خاک بھی منہ پر تو مل نہیں آتی
کسی طرح کسی پہلو سے کل نہیں آتی　　پکارتے ہیں اجل کو اجل نہیں آتی

جو سر کو پھوڑیں تو پتھر پرے سرکتے ہیں
جو لوٹیں کانٹوں پہ کانٹے الگ کھسکتے ہیں

بنا ہے خالِ سیہ رنگ مہ جمالوں کا　　دوتا ہوا ہے قدِ راست نونہالوں کا
جو زور آہوں کا لب پر تو شور نالوں کا　　عجیب حال دگرگوں ہے دلّی والوں کا

کوئی مراد جو چاہی حصول بھی نہ ہوئی
دعائے مرگ جو مانگی قبول بھی نہ ہوئی

پیادہ پا ہوں رواں شہسوار صد افسوس　　لہو کے گھونٹ پئیں بادہ خوار صد افسوس
ذلیل خوار ہوں اہلِ وقار صد افسوس　　ہزار حیف دل بے قرار صد افسوس

جھکے ہیں بار الم سے تنے ہوئے کیسے
بگڑ گئے ہیں یکا یک بنے ہوئے کیسے
پئے محاسبہ پرسش ہے نکتہ دانوں کی تلاش بہر سیاست ہے خوش زبانوں کی
جونوکری ہےتو اب یہ ہے نوجوانوں کی کہ حکم عام ہے بھرتی ہے قید خانوں کی
یہ اہلِ سیف وقلم کا ہو جب کہ حال تباہ
کمال کیوں نہ پھرے در بدر کمال تباہ
غضب ہے بخت بدایسے ہمارے ہوجائیں کہ ہیں جولعل وگہر سنگ پارے ہوجائیں
جودانے چاہیں تو خرمن شرارے ہوجائیں جو پانی مانگیں تو دریا کنارے ہوجائیں
پئیں جو آبِ بقا بھی تو زہر ہوجائے
جو چاہیں رحمت باری تو قہر ہوجائے
جہاز ایسا تباہی میں آگیا اپنا ملا نہ تختہ ٹرٹی تک کہیں پتا اپنا
رہا نہ آہ زمانے میں آشنا اپنا بجز خدا کے نہیں کوئی ناخدا اپنا
کسی سے ڈوبے ہوئے ایسے کب نکلتے ہیں
یہاں سے حضرت الیاس بچ کے چلتے ہیں
یہ وہ جگہ ہے کہ عبرت پہ عبرت آتی ہے یہ وہ جگہ ہے کہ شامت پہ شامت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ آفت پہ آفت آتی ہے یہ وہ جگہ ہے کہ حسرت پہ حسرت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے جہاں بے کسی بھی ڈر ڈر جائے
یہ وہ جگہ ہے اجل خوف کھا کے مرمر جائے
لکھوں کہاں تلک القصہ حالِ بربادی لکھوں کہاں تلک اس آسماں کی جلادی
کسی کو قید محن سے نہیں ہے آزادی کہ داغ داغ ہے دل ہر کوئی ہے فریادی
الٰہی پھر اسے آباد و شاد دکھلادے
الٰہی پھر اسے حسب مراد دکھلادے

نوا سنجی ودستاں طرازی شاعر بے بدل نکتہ پرور بے مثل آسمان سخن راماہ نیم ماہ وفلک بلاغت رامہر نیم روز مرزا قربان علی بیگ خاں المتخلص بہ سالک یادگار اکبر مرزا عالم بیگ خاں مرحوم حیدرآبادی مولد شاہجہان آبادی مسکن، فن سخن از جناب استادی مولائی نواب اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ متخلص بہ غالب کسب کردہ

جہاں میں شہر ہیں جتنے جہاں جہاں آباد بس اُن بلاد میں تھا منتخب جہاں آباد
اُجڑ کے یاں سے نہ پوچھو ہوا کہاں آباد گیا عدم کو دوبارہ ہوا وہاں آباد
فلک نے کس سے کہوں کیوں مٹادیا اس کو
ارم کا قصر سمجھ کر اُٹھا لیا اُس کو

زبسکہ رکھتے ہیں دل سے عزیز سب اس کو زمیں پہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں روز شب اس کو
سنا ہے بستے ہوئے آسماں پہ جب اس کو بلند شہر کہیں کیوں نہ لوگ اب اس کو
یہ اٹھ گیا ہے اور اٹھنا نشانِ رفعت ہے
بلند شہر کو کیا ورنہ اس سے نسبت ہے

زمینِ پست یہاں کی تھی آسماں منظر ہر ایک ذرہ یہاں کا تھا مہر کے ہمسر
یہاں کی خاک تھی اکسیر سے بھی کچھ بہتر یہاں کی آب میں آبِ حیات کا تھا اثر
نسیم خلد سے بہتر سموم تھی یاں کی
یہ وہ چمن ہے کہ دنیا میں دھوم تھی یاں کی

ہر اک مکان یہاں کا تھا ایک مکان سرور ہر ایک کوچہ یہاں کا تھا اک جہان سرور
ہر اک دکان یہاں کی تھی ایک دکانِ سرور غرض کہ شہر نہ تھا، تھا یہ ایک کانِ سرور
جدھر کو دیکھیے آوازِ بربط و نے ہے
نہ جانتا تھا کوئی رنج وغم کو کیا شے ہے

یہ شہر کس لیے برباد ہوگیا یارب لگی کسی کی یہ کیا ایسی بددعا یارب
یہاں کے لوگوں سے کیا ہوگئی خطا یارب ہوئے ہیں کس لیے یہ موردِ جفا یارب

غرض تھی غدر سے ہوویں گنہگار ثقات
وگرنہ ہوتے نہ ہرگز سزائے دار ثقات
چلی تھی دہر میں گویا ہوا یہ چوپائی   کہ فوج باغیہ چاروں طرف سے یاں آئی
تمام شہر کی خوب آکے خاک اُڑوائی   یہ بادِ تند تھی خاشاک کی تمنائی
رہی نہ خاک بھی امن و امان کی صورت
کچھ اور ہوگئی سارے جہان کی صورت
یہ انقلاب ہے یا ہے قیامتِ صغرا   کوئی نہیں ہے کہ جس کے رہے ہوں ہوش بجا
ہوئی ہے آدمی کی شکل شہر میں عنقا   بنا ہے ہو کا مکاں بس ہر ایک گلی کوچا
ہوئے ہیں لوگ یہاں کے کہاں کہاں آباد
ہر ایک گاؤں بنا ہے مگر جہاں آباد
کسی کے لب پہ ہے نالہ، کسی کی چشم ہے تر   کسی کا چاک گریباں ہے اور کوئی مضطر
کسی کا ہاتھ ہے دل پر کوئی ہے تھامے جگر   غرض کہ رنج سے خالی نہیں ہے کوئی بشر
بجائے زمزمہ ہر جاے شیونِ غم ہے
محل عیش تھا یا اب سرائے ماتم ہے
مکاں شکستہ ہیں مانند خاطر مایوس   اُجاڑ کوچے بسانِ دل الم مانوس
وہ شکل ہی نہ رہی شہر ہوگیا معکوس   ستم کیا فلک بدشعار نے افسوس
یہ وہ جگہ ہے جسے دیکھنے کو خلقت آئے
اور اب جو دور سے دیکھے کوئی تو عبرت آئے
سمجھ کے اپنا ٹھکانا گئے جہاں ہم لوگ   ذلیل یاں سے زیادہ ہوئے ہیں وہاں ہم لوگ
بنے ہیں طائر گم گشتہ آشیاں ہم لوگ   پھرے ہیں امن کے طالب کہاں کہاں ہم لوگ
زمین ہوگئی دشمن نہ پائی جائے ثبات
ٹھہر سکا نہ کسی جائے اپنا پائے ثبات
وہ لوگ کھائیے جن کے نشاط کی قسمیں   ہوئے ہیں طالع ناسازگار کے بس میں

محل میں رہتے تھے یا اب ہوئے ہیں خس‌بس میں نہ تاب دل میں ہے طاقت نہ جانِ بیکس میں
جو تشنہ لب ہوں تو آبِ دم سناں موجود
جو گرسنہ ہوں تو کھانے کو گولیاں موجود
ہوئے ہیں قتل جو بے جرم لوگ دلّی کے بہشت چاہیے پہلے انھیں قیامت سے
کیا جنابِ الٰہی میں عرض رضواں نے کہ آج کل درِ فردوس کس طرح سے کھلے
ملا جواب کہ دلّی کو لاؤ اٹھوا کر
اور اس گروہ کو اس میں بساؤ لے جا کر
وہ جن کی طبع کہ آسودگی پہ مائل ہے پیادہ کیوں کہ چلیں ناقہ ہے نہ محمل ہے
اٹھائیں ایک قدم بھی اگر تو مشکل ہے قدم کہے کہ ٹھہر جاؤ یہ ہی منزل ہے
سروں پہ بوجھ ہے گٹھری کا لڑکھڑاتے ہیں
بس اپنے جی کی طرح بیٹھ بیٹھ جاتے ہیں
لکھوں میں پردہ نشینوں کا حال کیا ہے ہے بیان مجھ سے ہو کیوں کر یہ ماجرا ہے ہے
نہ آئی جن کی کبھی در تلک صدا ہے ہے نکل کے گھر سے چلی ہیں پیادہ پا ہے ہے
کبھی نہ غصہ میں بھی جامہ سے جو باہر ہوں
غضب ہے یہ کہ وہ یوں بے ردا و چادر ہوں
ہجوم مسجد جامع کا کیا کروں اظہار صف ملائکہ ہوتی جہاں نماز گزار
ہر ایک صف میں نہ رہتا مصلیوں کا شمار اب اُس کو دور سے بھی دیکھنا ہوا دشوار
نماز ہے نہ اذاں ہے نہ کوئی جاتا ہے
جب اُس کو دیکھیے خالی تو جی بھر آتا ہے
وہ اُس کے گرد کی بازار اور وہ زینت ہجوم خلق سے ہر روز اک نئی صورت
کہ جس کے دیکھنے سے طبع کو ہو اک فرحت یہاں سے جائے کسی میلے میں تو ہو نفرت
الٰہی کیا ہوئے اجناس رنگ رنگ کے ڈھیر
پڑے ہوئے ہیں گل و خشت و چوب و سنگ کے ڈھیر

دراز دتی دیہاتیاں بد انجام   خدا دکھائے نہ صورت کبھی سنائے نہ نام
کسی طرح سے سمجھ میں نہ آئے جن کا کلام   گریز پا جو نکل کر گئے لٹے وہ تمام
لٹا لباس تلک آبرو بھی واں کھوئی
گرہ میں کچھ بھی نہ نکلا تو نقد جاں کھوئی

بچاؤ جان کے اس جان کی محبت میں   گیا جو مضطربانہ کسی ریاست میں
تو گیرو دار سے آیا وہاں بھی آفت میں   یہاں سے اور زیادہ پھنسا مصیبت میں
جو نقد کچھ ہے تو مخبر کا قرضدار بنا
وگرنہ بے گنہی میں گناہ گار بنا

بیان سن کے یہ سالک اُڑے جو میرے ہوش   بسان صورت دیوار رہ گیا خاموش
ہجوم فکر سے خوں دل میں مارتا تھا جوش   کہ ناگہاں تتق غیب سے یہ بانگ سروش
رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند
چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

مسدس شہر آشوب حکیم بے بدل طبیب بے مثل حکیم محمد تقی خاں
متخلص بہ موزاں گاہ گاہ سخن می سراید و سخن را بہ پایہ سخن می رساند

ہر ایک گھر میں یہ شور و بکا ہے دلی کا   فغاں کہ نام و نشان کیا مٹا ہے دلی کا
عجیب حال یہ جس نے سنا ہے دلی کا   دلِ دو نیم ہے وہ ماجرا ہے دلی کا
خطا نہ کردہ جو پامال اک جہاں ہووے
ہماری آنکھوں سے کیوں کر نہ خوں رواں ہووے

خدا نے عرش سے تا فرش جب کیا پیدا   زمین پہ رہنے کا انساں کو جب کہ حکم ملا
جو انتخاب جہاں تھا سو ہند میں رکھا   رہے تھے مل کے وہیں دیکھو آدم و حوا
کسی کا نام رکھا روم اور کسی کا شام
ہے اس مقام کا ہندوستان جنت نام

جہان آباد کے ذرہ میں تھی زر افشانی　کلاہ زر تھی گدا کی، یہ زر کی ارزانی
جو آتا تیرہ دروں سنگ یاں بدخشانی　جلا وہ پاتا یہیں ہوتا لعل رمانی
ہر ایک خوبیِ حسن و جمال اس میں تھا
کمالِ اہلِ کمال اور کمال اس میں تھا
بجائے زر یہاں جوہر کی تھی فراوانی　نصب تھے لعل و گہر، تھا جو تخت مرجانی
یہیں برستے تھے گوہر زابر نیسانی　زمیں پہ ٹھوکریں کھاتے تھے دُر غلطانی
یہ بدرِ نورِ ضیا رشکِ مہرِ خاور تھا
یہ بحرِ جود و سخا کانِ سیم و گوہر تھا
یہ شہر وہ تھا کہ سب جام جم اسے کہتے　سمجھ تھی جن کو وہ رشک ارم اسے کہتے
یہ شہر وہ تھا کہ بحرِ کرم اسے کہتے　بجا تھا چشمہ فردوس ہم اسے کہتے
اسی کے لینے کا شائق ہر ایک سرور تھا
یہ شہر وہ تھا کہ سرتاج ہفت کشور تھا
وفورِ حسن و لطافت میں اس کا تھا شہرا　یہ کانِ علم و ہنر میں بھی ایسا یکتا تھا
کسوٹی کہتے ہیں جس کو وہ شہر دہلی تھا　یہاں کے سنگ میں پارس کا تھا اثر پیدا
وطن کو چھوڑ ہر ایک سمت سے جو آتے تھے
اسی جگہ سے سب انسان بن کے جاتے تھے
غریب پرور و کانِ کمال تھا یہ مقام　عدیل اس کا نہ تھا جانتے ہیں خاص و عام
برآتی آرزو ان کی جو آتے یاں ناکام　یہاں سے نام وہ پاتے جو ہوتے تھے گمنام
سند جہاں کو تھی عالی مقام سے اِس کے
یہ اعتبار تھا عالم کو نام سے اس کے
جگر ہو ٹکڑے فسانہ ہے وہ بلا اس کا　ہر اک مکان و مکیں خاک میں ملا اس کا
وقار جتنا بڑھا تھا، گھٹا سوا اس کا　ہزار حیف کہ اب نام بھی مٹا اس کا
دعائے بد کسی ایسے ہی پُرجفا کی لگی

—

یقین جان کہ اس کو نظر بلا کی لگی

نہ پوچھو کجروی چرخ پر بلا ہم سے   یہ سب کا دشمنِ جاں ہے مگر سوا ہم سے
چھنایا اس نے وطن اور دلربا ہم سے   سزا اسے بھی ملے پوچھ کر سزا ہم سے

اس آسمان پہ ہو عرش سے بلا نازل
جلا کے اس نے کیا خاک ہے ہمارا دل

ہمارے ساتھ کہاں کی اسے عداوت ہے   جہان ہے تہ و بالا یہ کیسی آفت ہے
ہوا جو حشر ہے برپا یہی قیامت ہے   یہ خوش نہ ہووے کہ اس کی بھی آئی شامت ہے

ہمارے نالہ سوزاں اسے جلا دیں گے
فلک کو دیکھنا ہم خاک میں ملا دیں گے

جہان آباد کو برباد کردیا اس نے   جو شاد رہتے تھے ناشاد کردیا اس نے
غم و الم کو بس آباد کردیا اس نے   خوشی کے نام کو آزاد کردیا اس نے

یہ ہے ہمیشہ سے دنیا میں دشمن خونخوار
اسے بھی کاش ملے سامنے ہمارے دار

سمجھ میں آتا نہیں کیسی یہ بلا آئی   عدول حکمی کی دل پر جو فوج یہ چھائی
کہیں یہ کس سے کہو کس کی تھی یہ گمراہی   ہے اپنی زشتی اعمال کی یہ رسوائی

بلا یہ پوربی میرٹھ کی یہ یہاں لائے
عمل ہمارے مجسم جو سامنے آئے

انھوں کے آتے ہی دہلی میں قتلِ عام ہوا   جو سروران حکومت تھے ڈھونڈ کر مارا
وہ بچے پھول کی پتی سے جن کو ذبح کیا   گیا زمیں سے فلک تک یہ شور واویلا

خدا کا خوف نہ آیا وفا کو چھوڑ دیا
ستم یہ دیکھ جفا نے جفا کو چھوڑ دیا

جو ظلم آنکھوں سے دیکھا کہا نہیں جاتا   سنا جو کانوں سے اس کو لکھا نہیں جاتا
نشان نقش ازل تو مٹا نہیں جاتا   کرے بیان جو اُس کا سنا نہیں جاتا

ہوا نہ جاتی تھی بے اذن جن کے گلشن میں
وہ خاک چھانتے پھرتے ہیں جنگل و بن میں
یہ سرکشی ہوئی میرٹھ کی فوج سے جس دم　　نہ کارتوس کو کاٹا ہوئی تھے جو برہم
یہاں وہ آئی تو آیا تھا سب کا ناک میں دم　　جو افسران کے تھے پہلے کیا سر اُن کا قلم
ہوئے جو قتل وہ دیوان عام کے آگے
فرشتے چھوڑ زمیں آسمان کو بھاگے
یہاں کے جتنے تھے اوباش مل کے ان کے سات　　کہا بتائیں تمھیں زر کے ہاتھ آنے کی گھات
مگر یہ شرط ہے گر آئے کچھ ہمارے ہات　　برائے نام نکالی یہ لوٹنے کی بات
جو اونچا گھر کوئی تکتے تو اُس پہ چڑھ جاتے
فرنگی اس میں ہیں یہ کہہ کے گھر وہ لٹواتے
وہ بے نیاز ہے دیکھی جو اُن کجرائی　　جفا و جور و ستم کی نہ واں ادا بھائی
عذاب جب ہوا نازل زمین تھرائی　　پھر ان کے ساتھ ہی دہلی پہ اک بلا آئی
عتاب آوے تو اس پر وہاں مدار نہیں
گناہ کردہ و ناکردہ کا شمار نہیں
ہوئی جو عرش سے نازل بلا تو کس سے رکے　　کچھ اس کی واں نہیں پرواہ جو لاکھ ہوں سجدے
جو کام تھا وہ یہ اول تمام کر ہی چکے　　نہ دل سے پہلے جھکے سر سے اب جھکے تو جھکے
وہاں ہے کس کو مجال کلام و تاب سخن
ولی ہیں خوف سے بیٹھے لگائے مہر دہن
یہ جوق جوق جو دہلی میں جمع تھے ظالم　　لڑے پھر اُن سے ہمیشہ جو ان کے تھے حاکم
کٹے ہزاروں نہ باقی رہا کوئی سالم　　جو اس میں بھید تھا اس کا خدا ہی ہے عالم
پڑی جو گولی تو بے دین بھاگے اور ترسا
جب آسمان سے مینہ ان پہ آگ کا برسا
اکڑ کے پنجوں کے بل جو زمین پر چلتے　　جو سیدھی بات کرے ان سے اس کو وہ دلتے

تفنگ و تیغ کو چمکاتے ہر گھڑی ملتے   نشہ میں لاف وہ کرتے تو سن کے سب جلتے
ہوئے تھے جو کہ مقابل میں بے سنان وسیف
دماغ جھڑ گیا ان کا رہا نہ باقی کیف

رعایا کو ہوا دشوار شہر کا رہنا   ہوئے خراب جنھوں نے نہ مانا تھا کہنا
نہ جانتے تھے کہ ہوتا ہے کیا ستم سہنا   بجائے اشک ہوا خون چشم سے بہنا
نہ تھی وہ قابلِ رحمت پڑے نہ اب پالا
جہان آباد پر اس فوج نے ستم ڈالا

نزولِ رحمِ الٰہی کے ہے بدل میں عتاب   سزا عمل کی ملی ہوگئے جو خانہ خراب
نظر اٹھا کے جسے دیکھا تھا وہ چشم پُر آب   مٹا ہے نام ونشان اب یہاں کا مثلِ حباب
ہے ذکر کیا جو کوئی آرزو بھی برآوے
جو موت آئے تو وہ دیکھ ان کو پھر جاوے

نکلتے کاش کہ دہلی سے یہاں نہ رہنا تھا   بلائیں سہتے نہ کچھ پُر بیوں سے کہنا تھا
نہ پاس اپنے زر و نقد تھا نہ گہنا تھا   نصیب اُلٹے تھے اپنے ستم یہ سہنا تھا
کہ خاک چھانیں ہر اک قریہ کی پھریں دردر
نہ پوچھے بات کوئی دیکھ بے زر و بے پر

کہاں وہ شوکت وحشمت کہاں وہ جاہ ووقار   کہاں وہ مکنت و رفعت وہ عظمت سرکار
کہاں وہ قدرت وثروت وہ عیشِ لیل ونہار   کہاں وہ فرحت وعشرت وہ وصلتِ دلدار
بُکا ہے یاس ہے حرماں ہے چشم پُرنم ہے
فغاں ہے آہ ہے نالہ ہے جوشِ ماتم ہے

ستم کہ بادِ مخالف خزاں کو لاتی ہے   بیان کیا کروں اس کا کہ پھٹتی چھاتی ہے
جو اہلِ قلعہ تھے ثروت اب ان کی جاتی ہے   کہ ساتھ ان کے یہاں سب کی شامت آتی ہے
ہمارا سینہ و دل چاک ہوگیا افسوس
یہ کیسا لاکھ کا گھر خاک ہوگیا افسوس

رہی کسی کو فراست نہ نام دانائی جو سروران حکومت سے جنگ ٹھیرائی
خمار جاتا رہا ہے قضا نے پلوائی حصول کچھ نہ ہوا جز ملال و رسوائی
ہوئے تھے جمع جو نااہل و نابکار و کمین
بلا میں ڈال کے سب کو نکل گئے بے دین
بیان کیا کروں اس کا کہ جاں ہے گھبرائی کہ سوشگافی سوا کچھ نہیں ہے دانائی
بلا پہ آئی بلا پر انھیں نہ موت آئی جنھوں نے دہلی میں شاہی تھی نام کی پائی
نزول جب ہو بلا کا نہ کیوں زمین ہل جائے
جو چاہے ان کی ترقی وہ خاک میں مل جائے
تھے ایک روز فراہم جو شاہ کے فرزند کی عرض شہ سے کہ اقبال آپ کا ہو بلند
دعا قبول ہوئی آپ کی ملی یہ گزند خفا گلو ہے ہمارا اجل ہے طوقِ کمند
ہمارے حق میں جو ارشاد تھا سو پیش آیا
کہ اپنے سامنے سب کو عدم میں بھجوایا
اُجڑ گیا چمن آرائے گل رخاں افسوس رہا نہ گلشن و گل اور باغباں افسوس
وہ ناقدر تھا کہوں کیسا قدرداں افسوس کہ جس کی یاد میں کرتا ہے اک جہاں افسوس
چلی ہے بادِ خزاں، ہے خزاں کی طغیانی
خدا ہی جانے کہ آفت ہے اور کیا آنی
قدیم سے جو یہاں تھے امیر اب ہیں غریب حوادث ایسے ہیں برپا کہ ہیں بہ حال عجیب
اب ان کو بیٹھنے دیوے نہ کوئی اپنے قریب کہ جن کے در پہ رہا کرتے تھے ہزار نقیب
نہ سمجھے کوہ بلا جو یہاں ہے ٹوٹ پڑا
یہ آسمان ستم لو یہاں ہے ٹوٹ پڑا
چھپے زمین میں عبرت سے جو کہ تھے انساں مراد جن سے ہے انسان کی وہ اب ہیں کہاں
ملے ہزار جتن سے گر ان کا نام و نشاں سو وہ بھی ایسا کہ ہو جیسے چشمۂ حیواں
بشر کی شکل میں سیرت نہیں ملی ان کو

برائے نام ہیں کہتے ہو آدمی جن کو

کہاں وہ تاج کا مالک کہاں ہے وہ دربار   کہو کدھر گئی دیوان خاص کی وہ بہار
اب اس کے دیکھے جو اجڑے ہوئے درودیوار   یہ دل میں آئے کہ سر پھوڑ اور چیخیں مار
ہے پارہ پارہ جگر کیسی دلفگاری ہے
بجائے اشک جو آنکھوں سے خون جاری ہے

بنا ہوا تھا جو مہتاب باغ کا گلشن   گل شگفتہ نہ ہے عندلیب وگل نہ چمن
کہاں وہ نرگس شہلائے نسترن نہ سمن   روا ہے اب کہیں اس کو کہ ہے وہ دشت محن
چمن سے سرو کو آزاد کر نکال دیا
گلے میں قمری کے دیکھا کہ طوق ڈال دیا

صبا چمن میں اڑاتی ہے اپنے سر پر خاک   جہاں تھے نرگس ولالہ نہیں خس وخاشاک
ہر ایک گل جو ہے پژمردہ بادل غمناک   کیا ہے گلشن ہستی نے اب گریباں چاک
کریں ہیں نوحہ مچا شور بلبلانِ چمن
ملے ہیں خاک میں گلچیں وگلرخانِ چمن

وہ کیا ہوئے جو یہاں تھے امیر ابن امیر   تھی جن کی شوکت وعظمت ہر ایک کی توقیر
جبینِ عجز جھکاتے وہاں صغیر وکبیر   سمجھ کے فخر کھڑے رہتے در پہ جم غفیر
یہ کیسا پردۂ ناموس چاک چاک ہوا
ملے وہ خاک میں دل سب کا جل کے خاک ہوا

کہاں رہا وہ دماغ ان کا اور وہ سردار   کہ جن کو بات کے کرنے سے آتی تھی سو عار
نظر اٹھا کے جو دیکھیں تو ہوتا دل پہ بار   لب و زباں کو ہلانا تھا کس قدر دشوار
وہ مضطر ہو کے جو باتیں کسی کے سات کریں
کرے نہ بات کوئی ان سے جب وہ بات کریں

ہمیشہ عطر جو پوشاک میں لگاتے تھے   بدلتے شام وسحر جوڑے اور بساتے تھے
تھی نکہت ایسی کہ اس سے نہ تاب لاتے تھے   خجل ہو گل کف افسوس ملتے جاتے تھے

وہ دیکھو پیرہن آلودہ خاک پھرتے ہیں
کہاں ہیں جیب گریبان چاک پھرتے ہیں
گلے میں پھولوں کا کنٹھا سدا پڑا رہتا　　اور عطر گل بھی پھر اس پر جدا لگا رہتا
وہ زلف نافہ مشک اس سے رشک کھا رہتا　　شمیم عطر گریباں میں دل پھنسا رہتا
اب اس گلو میں ہے طوق و رسن بجائے سمن
ہے چاک چاک گریباں ہر ایک غنچہ دہن
جو نازک ایسے اٹھاتے نہ گل کو جان کے بار　　بجز نسیم گل ان کے گلے میں دیکھا نہ ہار
رہا نہ عطر ہی باقی نہ زلف عنبر بار　　چلے ہیں سر پہ رکھے اپنے بار نصف نہار
وہ پا برہنہ ہیں کانٹے ہیں اور ہے رہ سنگ
پڑے ہیں چھالے جنھیں بار تھا حنا کا رنگ
قدم جو رکھتے نہ تھے فرش پر پلنگ سے اُتر　　برہنہ پا وہ گلی کوچوں میں پھریں در در
جگر کے ٹکڑے ہیں دیکھ ان کو با دل مضطر　　ستم یہ ایسے ہوئے تھے کہو بھلا کس پر
بجائے عیش شب و روز اس کا رونا ہے
اب ان کو فرش زمیں خاک کا بچھونا ہے
وہ نازنین کہ نزاکت بھی دیکھ گھبراوے　　کہ جن کی بستر گل پر سے نیند اُڑ جاوے
گمان میں جو نہ ہو کیا خیال میں آوے　　لکھا ازل کا جو تقدیر سامنے لاوے
پکڑ کے زلف کیا قتل ان کو ننگے سر
صبا کے چھونے سے جو ہوتے تھے پریشاں تر
اب ان کا حال ہے ایسا خدا نہ دکھلاوے　　مصیبت ایسی کسی پر کبھی نہ اب آوے
رہائی جب کوئی قید حیات سے پاوے　　صد آرزو وہ کہیں کاش جاں نکل جاوے
دیکھی ہے کبھی آئی ہو ایسی حیرانی
فلک نے ان کو جو دی ہے گی اب پریشانی
برہنہ پا کوئی نکلا کوئی گریباں چاک　　کسی کا دیدۂ گریاں کسی کے سر پر خاک

ہر ایک بید سا لرزاں تھا بادل غمناک　　تھی دشمنوں کی بھی ہر سمت سے یہ ان پہ تاک
قدم نہ اٹھتا تھا جو وہ قدم اٹھاتے تھے
ہزاروں ٹھوکریں کھاتے تھے گرتے جاتے تھے

وہ کون ہے جسے اس درد کا نہیں آزار　　بشر وہ کون سا ایسا ہے جس کے دل کو قرار
طپاں ہے جان بلا نالہ ہائے آتش بار　　لگی ہیں آہ کی وہ برچھیاں جگر ہے فگار
جو صبر دیویں تو یعقوب زار کو دیویں
ہمارے حال کو ایوب دیکھ رو دیویں

زمانہ کوچ کا بس آ گیا ہے وقت رحیل　　قیامت آنے میں ہرگز نہ اب رہی ہے ڈھیل
جو نفخ صور لیے ہاتھ میں ہے اسرافیل　　ہے کس میں جان کہو کیا کریں گے عزرائیل
حدوث حشر سے پہلے ہے اپنا کام تمام
قیامت آئی اگر بعد اپنے تو کس کام

رواں ہے اشک کا دریا نہیں مجالِ سخن　　وہ قدردان کہاں سمجھیں جو کمالِ سخن
گئے زمین میں تھا جن سے احتمالِ سخن　　عبث ہر ایک سے کیجیے نہ قیل و قالِ سخن
لگا کے مہر دہن کو نہ فکر کر سوزاںؔ
کسی سے بات نہ کیجیے کہ ہے جگر سوزاںؔ

ہزار شکر وہی آئے حاکم دوراں　　کہ جن کے عدل سے بیکار تیغ و تیغ زباں
غریب آن بسے پھر وطن میں ہو شاداں　　خزاں میں از سرِ نو ہے بہار کا ساماں
فلک یہ عدل سدا ان کا پائدار رکھے
قرار ایسا انھیں دے نہ بے قرار رکھے

ایضاً تاریخِ غدر مفسدانِ باغی

یہ ابتدائے بلا تھی جو پوربی لائے　　تھی سولھویں رمضان کی جو شہر میں آئے
اخیر مصرع میں تاریخ و سال کو پائے　　جو اس کو دیکھے وہ آنکھوں سے خون برسائے

ہے جوش گریہ سے یہ حال چشم سائل کا
جو قطرہ اشک کا ٹپکے سو ہے لہو دل کا
1274

از افکار تازہ سیّد ظہیر الدین صاحب عرف نواب مرزا متخلص بہ ظہیر خلف اکبر میر جلال الدین خوشنویس مغفور از کاملین دہلی است و دستگاہے در خط نسخ چناں می دارد کہ بایاقوت برابر کند لائق و سزاوار است و فنِ سخن از شیخ محمد ابراہیم ذوق بکمال رسانیدہ

فرشتہ مسکن و جنت نشان تھی دہلی   زمین کے پردے میں اک آسمان تھی دہلی
جہاں میں ایک عجائب مکان تھی دہلی   غرض کہ اہلِ بصیرت کی جان تھی دہلی
یہ وہ جگہ تھی زمیں جس کی زر اُگلتی تھی
یہ خاک وہ تھی کہ اکسیر ہاتھ ملتی تھی
سواد ہند میں عرش احتشام تھی دہلی   بیاض مردمک خاص و عام تھی دہلی
زمیں پہ چرخ کی قائم مقام تھی دہلی   جب آیا عہد جوانی تمام تھی دہلی
فغاں کہ جس کو ملائک نے انتخاب کیا
ستم ہے اس کو زمانے نے یوں خراب کیا
یہ شہر وہ تھا کہ غنچہ تھا حسن والوں کا   یہ شہر وہ تھا کہ تختہ تھا نونہالوں کا
یہ شہر وہ تھا کہ مجمع تھا خوش جمالوں کا   یہ شہر وہ تھا کہ مرجع تھا باکمالوں کا
یہ وہ مکاں تھا مکیں جس کے قیصر و جم تھے
یہ خطہ وہ تھا گدا جس کے فخر حاتم تھے
جہان آباد لقب تھا نہ عز و شاں کے لیے   جہاں کا لفظ بنا تھا اسی مکاں کے لیے
یہ درجہ اس کے لیے تھے نہ آسماں کے لیے   کہ اس سے کام زمانے نے دو جہاں کے لیے

فلک سے رتبہ میں رتبہ دو چند تھا اس کا
مقامِ عرش سے پایہ بلند تھا اس کا
نقوش پیکر ارژنگ تھے در و دیوار   نگار خانہ چینی تھے کوچہ و بازار
مکاں مکاں سے ہویدا تھا جوش فصل بہار   بنا محلّہ محلّہ تھا —— گلزار
فلک صفائے عمارت پہ زہر کھاتا تھا
چمک سے ذروں کی خورشید تھرتھراتا تھا
دل جہان تھا دلی سے مدعا ہے ہے   نہ سمجھے دل میں تلنگان پر جفا ہے ہے
کہ دل کو بولتے ہیں خانہ خدا ہے ہے   خدا کے گھر کو بگاڑا ستم کیا ہے ہے
نہیں جہان میں واللہ اس جفا کی پناہ
جو انتقام ہو اس کا تو بس خدا کی پناہ
یہ وہ الم ہے کہ اس غم سے سب ہلاک ہوئے   لگا کے چرخ سے بے چین تا سماک ہوئے
ہلاک گور میں آسودگانِ خاک ہوئے   کفن بھی ساتھ گریباں کے چاک چاک ہوئے
نہ روزِ حشر سے کم تھی عذاب کی صورت
خدا دکھائے نہ اس انقلاب کی صورت
نہ غم سے دیدہ نرگس میں اشک شبنم ہے   دُرِ سرشک سے چشم صدف بھی پرنم ہے
چٹکنا غنچے کا گلشن میں نالہ و غم ہے   تمام خانہ گیتی سرائے ماتم ہے
جو دل خراش ہے شیون سے نغمہ بلبل کا
جو پُرزے پُرزے گریباں ہے باغ میں گل کا
جو رشک دیدۂ نرگس تھی چشم فتانی   ہوئی ہے گریہ خونیں سے لعل رمانی
گھڑی گھڑی ہے فزوں آنسوؤں کی طغیانی   غرض کہ کشتی اہلِ جہاں ہے طوفانی
نہ ناخدا ہے نہ ملاح نے کنارا ہے
خدا کی ذات کا اس بحر میں سہارا ہے
گلی گلی سے ہے آتی صدائے وادیلا   زمیں زمیں سے ہے اٹھتی نوائے وادردا

دکاں دکاں سے ہے گھر گھر سے حشر ہے پیدا مکاں مکاں سے اٹھا غلغلہ ہے شیون کا
چہار سمت رواج ستم پرستی ہے
فلک سے تازہ بلا پر بلا برستی ہے
زمیں زمین کے در پے ہے خاک اڑانے کو مکاں مکان کے دوڑے ہے کاٹ کھانے کو
رہی نہ جائے زمانہ کے سر اٹھانے کو ٹھکانے ڈھونڈتے فتنہ ہیں بیٹھ جانے کو
گھروں کو دیکھ پکڑنے لگے ہیں گھر عبرت
بنے ہیں روزن دیوار دیدۂ حسرت
ہوئی جو شام تو شامت زدوں کی شامت ہے نمود صبح قیامت پر اک قیامت ہے
بلا بلا پہ مصیبت پہ اک مصیبت ہے گھڑی گھڑی ہے غضب لحظہ لحظہ آفت ہے
ترے ستم سے کہاں بچ کے پر جفا جائیں
زمین شق ہو تو اب چرخ ہم سما جائیں
لباس ہے جو بدن پر اجل کا ساماں ہے کہ آج کل سر و ساماں بھی دشمن جاں ہے
جو پُرزے پُرزے سلاسل کی شکل داماں ہے تو بند بند ہیں طوق گلو گریباں ہے
بہار لالہ و گل اشک خوں دکھاتے ہیں
بجائے خندہ لب زخم مسکراتے ہیں
جو ہاتھ عقدہ کشا تھے وہ بستہ کار ہوئے جو قد کہ رشک صنوبر تھے وہ نزار ہوئے
جو پانو غیرتِ گل تھے وہ خار خار ہوئے حنائی تلوے دلوں کی طرح فگار ہوئے
جو سینے گلشن خوبی تھے داغ داغ ہوئے
جو دل کہ خانۂ عشرت تھے بے چراغ ہوئے
نگاہ صورت تصویر رہ گئی حیراں ہر ایک جسم بنا شکل قالب بے جاں
چھٹے یگانوں کے ہمراہ ہوش و تاب و تواں بہ رنگ طائر ترسیدہ اُڑ گئے اوساں
مثال آئینہ ہر ایک چشم حیراں تھی
دلوں کی طرح سے جو زلف تھی پریشاں تھی

ہر ایک رونقِ بزمِ جہان قتل ہوا   ہر اک قبیلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک طوطیِ شیریں زبان قتل ہوا   ہر ایک بلبلِ نوشیں بیان قتل ہوا
گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

نکلنا شہر سے خلقت کا بے سروساماں   وہ چاک چاک گریباں لگا کے تا داماں
وہ جانا پردہ نشینوں کا با سرِ عریاں   وہ دار و گیر سپاہِ ہنی و بے ایماں
درازِ دستِ تظلم ستم شعاروں کا
فلک کو یاس سے تکنا جفا کے ماروں کا

نکلتے شہر سے ہیں پر نکل نہیں سکتے   ہزار چال سے چلتے ہیں چل نہیں سکتے
کروڑ شکل کو بدلیں بدل نہیں سکتے   قدم قدم پہ ہے لغزش سنبھل نہیں سکتے
کمندِ موت نے کیا بند بند جکڑے ہیں
زمینِ شہر نے اک اک کے پانو پکڑے ہیں

وہ دھوپ اور وہ ریگِ تپاں گرم ہوا   وہ فوج فوج ہر اک سو سے نرغۂ اعدا
وہ کینہ دوزی و غارت گرانِ بے پروا   اور اس پہ ظلم گنواروں کا اور واویلا
جو ہم سے سنتے ہیں اس انقلاب کی باتیں
تو لوگ کہتے ہیں کرتے ہو خواب کی باتیں

وہ گُل سے چہرے حرارت سے تمتمائے ہوئے   وہ گورے گورے بدن خاک میں ملائے ہوئے
لبوں پہ آہ جگر میں الم سمائے ہوئے   جفا کی تیغ سے سب زخم دل پہ کھائے ہوئے
وہ داغِ مرگِ عزیزاں وہ دشت پیمائی
وہ ریگِ خارِ مغیلاں وہ آبلہ پائی

گلوں سے چشموں پہ اک مردنی سی چھائی تھی   وہ مہ سے چہروں پہ گویا چھٹی ہوائی تھی
غضب وہ پردہ نشینوں کی بے ردائی تھی   غرض کہ آنے سے پہلے قیامت آئی تھی
بیان کیجیے نصیبوں کی کیا برائی کا

وہ دشت اور وہ پھرنا برہنہ پائی کا

جہاں کی تشنۂ خوں تیغ آبدار ہوئی سنانِ نیزہ ہر ایک سینہ سے دو چار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی
ہر ایک دشتِ قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

نہالِ گلشنِ اقبال پائمال ہوئے گلِ ریاضِ خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا زوال ہوئے اور کیا کمال ہوئے کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے
جو عطر گل کا نہ ملتے، ملے وہ مٹی میں
جو فرش گل پہ تھے چلتے، ملے وہ مٹی میں

کہاں وہ خسرو عالی نظر بہادر شاہ کہاں وہ سرورِ نیکو سیر بہادر شاہ
کہاں وہ بادشہِ داد گر بہادر شاہ کہاں وہ داورِ والا گہر بہادر شاہ
کہاں سے باغی بے دین آگئے ہے ہے
کہ نام اس کا جہاں سے مٹا گئے ہے ہے

جہاں میں جتنے تھے اوباش و رند نافرجام قمار باز و چغل خور بدمعاش تمام
ہوئے شریک سیاہ شریر و بد انجام کیا تمام شریفوں کے نام کو بدنام
دو چند آتش فتنہ کو سر بلند کیا
کیا وہ کام کہ عالم کو دردمند کیا

شریر و مغوی و نااہل سر اٹھانے لگے کہ گمرہوں کو رہِ گمرہی دکھانے لگے
چھپے ہوؤں کا سراغ و نشاں بتانے لگے پکڑ پکڑ کے ستم گار خوں بہانے لگے
اٹھائی گیرے اچکے گھروں سے دھر بھاگے
جو گھ کٹے تھے وہ گٹھری لپک کے گھر بھاگے

بدی کے تخم شقی کشتِ دل میں بونے لگے کہ بے گناہ زن و بچہ قتل ہونے لگے
جو اہلِ درد تھے رو رو کے جان کھونے لگے مسیح و خضر بھی منہ ڈھانپ ڈھانپ رونے لگے

ستون خانہ نصفت گرادیے یکسر
چراغ بزم عدالت بجھادیے یکسر
نہ دیندار تھا کوئی نہ دینداری تھی   ستم پرستی و جور و جفا شعاری تھی
یہ پاسداریٔ ملت تو مستعاری تھی   پر اس کے پردے میں فکرِ حرام کاری تھی
غرض کہ دین کو سمجھے تھے وہ ستمگاری
نمک حرامی و محسن کشی تھی دینداری
برائے نام ستمگار دین دار بنے   جو دیندار بنے تو ستم شعار بنے
ستم شعار بنے جب تو ذی وقار بنے   جو ذی وقار بنے تو حرام کار بنے
کیا وہ ظلم کہ سر پر جہاں اٹھا مارا
خدا پرست نہ تھا کیا کوئی خدا مارا
یہ کیسی آتشِ فتنہ لگاگئے ظالم   جہان میں ایک قیامت مچا گئے ظالم
غرض کہ نامِ خلافت اٹھاگئے ظالم   سبھوں کو مٹنے سے پہلے مٹا گئے ظالم
کسی پہ قہر خدا کا نہ آفت آئی تھی
یہ خاندانِ تمر پر قیامت آئی تھی
ہزار شکر کہ دورانِ دور کوپر[1] ہے   زمانہ عہد میں اُس کے ترقیوں پر ہے
وہ آسمان کرم کا مہِ منور ہے   سخی و سرور و ذی جاہ داد گستر ہے
اگر نہیں تو نہ ہو بندگی و خاوندی
اسے درست تو ہے نسبتِ خداوندی
ظہیر بے ہودہ تا چند خامہ فرسائی   خیال ہرزہ درائی و بادہ پیمائی
عبث عبث یہ تگاپو و آبلہ پائی   ہمیں پسند ہمیں تیری نغمہ آرائی
زباں کو بند کر اور منہ سے کچھ نکال نہ بات
مثل سنی بھی ہے تو نے گزشتہ را صلوات

---

[1] لیفٹیننٹ گورنر

مسدس شہر آشوب من تصنیف اشرف الحکمائے جہاں حکیم آغا جان صاحب متخلص بہ عیشؔ، از رؤسائے قدیم شاہ جہاں آباد اند

عجیب طرح کی باغ و بہار تھی دہلی　　جہان میں غیرتِ صد لالہ زار تھی دہلی
ریاضِ قدرتِ پروردگار تھی دہلی　　غرض گُلِ چمنِ روزگار تھی دہلی
وہ وہ تھی ابر گہر بار جس کو کہتے تھے
وہ وہ تھی گلشن بے خار جس کو کہتے تھے

بیان اس کے کروں لطف کیا میں نامِ خدا　　وہ قطعہ روئے زمیں پر بڑا معظم تھا
کہیں اگر اسے فردوس ننگ ہے اُس کا　　نسیم خلد سے بہتر تھی وہاں کی آب و ہوا
مشام جان کو بس فرحت اُس سے آتی تھی
ہر اک بشر کی مزا روح اُس سے پاتی تھی

مریض غم کے لیے خانۂ شفا تھی وہ　　جہان میں دردِ دل و جان کی دوا تھی وہ
جو خاک بھی تھی وہاں کی تو کیمیا تھی وہ　　بھلا میں کیا کہوں تم سے کہ چیز کیا تھی وہ
زمین وہاں کی شرف آسماں پہ رکھتی تھی
فلک کی آنکھ بھی حسرت سے اُس کو تکتی تھی

عجیب طرح کے تھے اُس کے کوچہ و بازار　　بنسے تھا آئینہ پر اُس کا ہر در و دیوار
اور اُس صفائی پہ تھا ایسا لطفِ نقش و نگار　　بعینہ جیسے کہ آئینہ میں کھلے گلزار
لگا رہے وہاں اہلِ نظر کا دیدۂ دل
نہ ہووے اور طرف دیکھ کر اسے مائل

عمارتیں تھیں وہاں کیسی کیسی شانوں کی　　بیان کیجیے کیا خوبی اُن مکانوں کی
تھی اہل دید کی وہ فرح بخش جانوں کی　　انھیں تھی دیکھ کے چرخ عقل آسمانوں کی
زمیں بھی تھی تو وہاں کی اس آب و تاب پہ تھی
کہ جس کے ذرے کو بھی چشمک آفتاب پہ تھی

ہر ایک ذرّہ وہاں کا تھا رشک صد خورشید　　وہ جائے اہل نظر کے لیے تھی قابلِ دید
جو عالم اُس کا تھا وہ تو نہ دید ہے نہ شنید　　جہاں میں قفل درِ آرزو کی تھی وہ کلید
ہر ایک طرح کا واں انبساط حاصل تھا
وہ طبقہ باعثِ آرامِ دیدۂ دل تھا

وہ کیا جگہ تھی طلسمات کا سا عالم تھا　　مدام فصل بہاری کا واں تو موسم تھا
بھرا ہوا وہ خوشی سے مکان ہردم تھا　　نہ دل تھا ایسا کوئی واں کہ جو نہ خرّم تھا
ہر ایک فرد بشر کو خوشی سے کام تھا واں
نہ جانتا کوئی زنہار غم کا نام تھا واں

ہوا وہاں کی تھی بس مشک بار عنبر بیز　　ہر ایک دل کو تھی فرحت فزا طرب انگیز
ہر ایک موج تھی اُس کی خوشی سے واں لبریز　　تھی جان و دل کے لیے نکہت اس کی عشرت خیز
لطافت ایسی تھی واں کی ہوا میں نام خدا
کہ جس کے لطف کو کہتے تھے دیکھ صلِ علیٰ

بسان آئینہ اس سوچ میں میں حیراں ہوں　　کہ اس مکان کو تشبیہ دوں تو کس سے دوں
خلاف ادب کے ہے باغ جناں جو اس کو کہوں　　عجیب قدرتِ حق سے تھی وہ جگہ موزوں
کہ جس پہ روضۂ رضواں کو رشک آتا تھا
اور اُس کو خلد بریں دیکھ خار کھاتا تھا

وہاں تھا مجمع اہلِ کمال و اہلِ ہنر　　وحید عصر تھا واں کا ہر ایک فرد بشر
رکھے تھا ہمت عالی ہر اک بلند اختر　　کسی کو فیض ہو تھا ان کو یہ ہی مدنظر
ہر ایک طرح کا واں فیض اُن سے جاری تھا
ہر ایک شخص پہ القصہ فضل باری تھا

وحید عصر تھے جو اہلِ علم و فضل و کمال　　جہاں میں دولت جوہر سے تھے وہ مالا مال
ہر ایک عقدہ کو ناخن تھا ان کا بس حلال　　اور ان کمالوں کے تھے ساتھ صاحبِ اقبال
زمیں کی سطح پہ فیض اُن سے اک جہاں کو تھا

زمیں پہ اُن کے سبب رشک آسماں کو تھا

زبان ویسی ہی اہلِ زبان ویسے ہی　　مکین ویسے ہی تھے اور مکان ویسے ہی
فصیح ویسے ہی تھے خوش بیان ویسے ہی　　خدا کے فضل سے ذی عزوشان ویسے ہی

ہر ایک طرح کا صاحب کمال تھا اُس میں
ہر ایک صاحبِ حسن و جمال تھا اُس میں

ہر ایک چیز میں اُس شہر کی لطافت تھی　　اور اہلِ شہر کی ہر وضع میں شرافت تھی
طبیعتوں میں نفاست تھی اور لطافت تھی　　ہر اک سخن میں لطیفہ تھا اور ظرافت تھی

غرض واں کا تھا ہر خاص و عام ویسا ہی
جہان میں تھا وہ خطہ تمام ایسا ہی

شب برات کی مانند وہاں کی تھی ہر رات　　ہر ایک روز مشابہ تھا روزِ عید کے سات
ہر ایک شخص تھا وہاں نیک ذات و نیک صفات　　سو ہوگئی وہ جگہ ایسی موردِ آفات

کہ اُس کا نام بھی لینے سے خوف آتا ہے
خیال بھی وہاں جانے سے منہ چھپاتا ہے

وہ بارگاہ کہ تھا جس کا عتبہ بوس فلک　　طواف کرتے تھے جس گھر کا مہر و ماہ تلک
جہاں میں اُس کی تھی عظمت سما سے تا بہ سمک　　پہنچنا در تلک اُس کے تھا فخر حور و ملک

تباہی ان کی سنا قابلِ بیان نہیں
کہوں تو کیوں کہ کہوں طاقتِ زبان نہیں

فلک نے اُن کے وہ آپس میں تفرقے ڈالے　　دل و جگر پہ پڑے پڑتے غم کے ہیں بھالے
پھنسے ہیں ان کے سب آفت میں بوڑھے اور بالے　　اور ان کو اس پہ بھی جینے کے ہیں پڑے لالے

خبر نہ جان کو دل کی نہ دل کو جان کی ہے
اور اُن سے ویسے ہی چھیڑ اب تک آسمان کی ہے

وہاں چنے ہوئے ذوالاقتدار تھے جو جو　　یگانہ و شرف روزگار تھے جو جو
متین و صاحبِ عز و وقار تھے جو جو　　زمین پہ باعثِ صد افتخار تھے جو جو

فلک نے ان ہی کو چن چن کے پائمال کیا
انھیں کو موردِ صد رنج و صد ملال کیا
اب اس میں دل کو ہے مثلِ آئینہ کے حیرانی بسان زلف ہے خاطر کو یہ پریشانی
کہ اس طرح کی لطافت جہاں تھی ارزانی یہ دل میں کہتا ہوں سن سن کے واں کی ویرانی
الٰہی خواب تھا یا وہ خیال تھا کیا تھا
وہ واقعی تھا کہ یا احتمال تھا کیا تھا
فلک کی آنکھ نہ تھی جن کو دیکھنے پاتی نہ تھی مجال صبا کی جو اُن تلک جاتی
خدا نے دی تھی انھیں ایسی عصمت ذاتی کہ نام غیر جو سنتے تو ان کو شرم آتی
فلک نے بخشا ہے ان کو لباسِ عریانی
ہے ستر ان کے لیے ان کی پاک دامانی
غرض مری فقط اس داستان سے یہ ہے مآلِ کار میرا اس بیان سے یہ ہے
مراد ان کی بس اظہارِ شان سے یہ ہے حصولِ شرح مکین و مکان سے یہ ہے
کہ ایسے ایسے مکین و مکاں خراب کیے
فلک نے سب دل و جان جگر کباب کیے
وہ دل ہے کون سا اس غم سے جو خراب نہیں وہ کون شخص ہے جو گردِ پیچ و تاب نہیں
وہ جان کون سی ہے جس کو اضطراب نہیں اب آگے حال کے لکھنے کی مجھ کو تاب نہیں
کروں ہوں ختم دعا پر در قبول ہے وا
خدا سے عرض ہے اب یہ ہی اپنی صبح و مسا
الٰہی کردے پھر آباد باغ دہلی کو کر اپنے فضل سے روشن چراغ دہلی کو
مے نشاط سے بھردے ایاغ دہلی کو دلوں سے خلق کے تو دھودے داغ دہلی کو
دعا ہے تجھ سے یہی اے مسبب الاسباب
کر اپنے ابر کرم سے وہ باغ پھر شاداب
انھیں مکینوں سے پھر وہ مکان ہوں آباد الٰہی عیشِ جگر خستہ کا بھی کر دل شاد

رکھا امن میں اُسے اور اُس کی آل اور اولاد   بحق سیّد کونین و آلہٖ الامجاد
پھر اُس کو ویسا ہی آباد کر خدائے کریم
بحق سورۂ یٰسین و سورۂ رحیم

ایضاً

کیا کہوں اس فلک شعبدہ گر کے نیرنگ   دیکھ کر اُس کی طلسمات سنا عقل ہے دنگ
متحیر ہیں سن اس حال کو اہلِ فرہنگ   ان پہ کیا سن کے ہے اس ظلم سے ہر ایک دل تنگ
شمع ساں سب کو کیا خاک جلا کر اُس نے
چھوڑا بس خاک میں ایک ایک کو ملا کر اس نے
نہیں ایسا کوئی دل جو نہیں اس غم سے دو چار   کس کے دل میں نہیں اس غم کا یہ بتلاؤ تو خار
سن کے اس حال کو سینہ نہیں ہے کس کا فگار   کون ایسا ہے جو اس غم سے نہیں زار و نزار
کون سا دل ہے جو اس غم میں گرفتار نہیں
کون سی آنکھ ہے اس غم سے جو خونبار نہیں
ڈالا اوقات میں اُن اہلِ کمالوں کے خلل   عقدے حل ہوتے تھے جن پاس کہ مالا ینحل
قول کو جن کے یہ سب سمجھے تھے قولِ فیصل   اُن کی کیوں کر نہ ہو حالت متغیر پل پل
دل سے بے چین ہیں خاطر سے پریشان ہیں وہ
کچھ میسر نہیں ہر چیز سے حیران ہیں وہ
اور سوا اس کے ہیں جانوں کے پڑے اندیشے   دل پہ پڑتے ہیں پڑے اُن کے غموں کے تیشے
ڈر سے جانوں کے لگے کرنے وہ ارزل پیشے   جوتیاں بیچے ہے ان میں کوئی کوئی میشے[1]
اس پہ بھی چین نہیں جان کو بیتابی ہے
ان کی قسمت میں فقط بے خور و بے خوابی ہے
ابرِ غم دل پہ ہے ہر شخص کے ایسا چھایا   چرخ نے ان پہ سنا غم کا یہ مینہ برسایا
اُن کا اس چرخِ ستمگر کو یہ عالم بھایا   یاں تلک روئے کہ ہے منہ کو کلیجا آیا

---

[1] بھیڑ بکری کی کھال

اشک دن رات بس آنکھوں سے پڑے جھڑتے ہیں
اور ساتھ ان کے یہ کٹ کٹ کے جگر گرتے ہیں

تھے وہ جن باغوں میں اقسام کی میوے بوفور　　ناشپاتی و بہی سیب و انار و انگور
اور اسی قسم کے میووں سے چمن تھے معمور　　ان کی بو باس سے ہوجاتا تھا خفقان بھی دور

یا انھیں باغوں میں ہیں چار طرف خاک کے ڈھیر
اور گل و غنچہ کی جا ہیں خس و خاشاک کے ڈھیر

دیکھ واں سبزے کا اور آب رواں کا عالم　　اور ہی ہوتا تھا واں پیر و جواں کا عالم
جمع ہوتا تھا وہاں ایک جہاں کا عالم　　کچھ بیاں ہو نہیں سکتا ہے وہاں کا عالم

یا وہاں کانٹوں کے اب ڈھیر ہیں اور پتے ہیں
تھے جہاں پھول، نجاست کے وہاں کھتے ہیں۔

جس جگہ رہتے تھے پریوں کے اکھاڑے دن رات　　مہروش کرتے تھے وہاں سیر لیے ہاتھ میں ہات
اور ہر طرح کی موجود تھیں ان کو نعمات　　جز خوشی سننے میں آتی نہ تھی اس جا کچھ بات

یا وہی جا ہے کہ انسان کا واں نام نہیں
اور جو ہے کوئی تو بس غم کے سوا کام نہیں

وہ پری زاد جنھیں دیکھ کے جان آتی تھی　　نام سے اُن کے سنا روح مزا پاتی تھی
بیٹھے بیٹھے جو طبیعت کبھی گھبراتی تھی　　اُن سے ملتے تھے تو فورا یہ بہل جاتی تھی

خاک میں ان کو ہر ایک طرح ملایا اس نے
ہم جگر سوختوں کو اور جلایا اس نے

وہ نہ جو پاؤں نزاکت سے زمیں پر دھرتے　　بات بھی کرتے کسی سے تو اشارا کرتے
ان سے کچھ چپکے بھی کہتے تھے تو ڈرتے ڈرتے　　مرد و زن پیر و جواں دم تھے سب ان کا بھرتے

خاک اب چھانتے پھرتے ہیں وہ صحراؤں میں
اور ستم اس پہ کہ چھالے ہیں پڑے پاؤں میں

جن کو دنیا میں کچھ انداز سوا کام نہ تھا　　دم بھر اسباب طرب بن انھیں آرام نہ تھا

کچھ بھی اندیشہ انھیں صبح سے تا شام نہ تھا   رات دن چین تھا کچھ غم سے انھیں کام نہ تھا
دشت غربت میں وہی ہیں کہ سب آوارہ ہیں
بحر غم دل ہے جو مژگاں ہیں سو فوراہ ہیں
جام عشرت سے سدا رہتے تھے دن رات جو مست   اور موجود وہاں رہتے تھے سب بادہ پرست
بزم میں ان کی سدا اہلِ طرب کی تھی نشست   ہاتھ اٹھائے تھے وہ سب رنج والم سے یک دست
اب وہ غم کھاتے ہیں اور خونِ جگر پیتے ہیں
خاک جیتے ہیں مگر کہنے کو ہاں جیتے ہیں
تھا وہ جن لوگوں کے ہاتھوں کی نزاکت کا یہ حال   بار سے رنگِ حنا کے وہ ہوئے جاتے تھے لال
خوابِ مخمل سے کفِ پا کو تھا ہاں ان کے ملال   میلے ہوتے تھے نظر پڑنے سے وہ چاند سے گال
اب وہی لوگ ہیں اور بادیہ پیمائی ہے
مل گئی خاک میں سب میری و مرزائی ہے
جن کو موجود تھی جمعیت خاطر ہردم   خوابِ راحت سے نہ تھی جن کو کہ فرصت ایک دم
اور آرام سے شیرازۂ خاطر تھا بہم   کیا کروں عیش میں ان لوگوں کا احوال رقم
لیتی اب زلف ہے دام ان سے پریشانی کو
آئینہ لیتا ہے مول ان سے ہی حیرانی کو

مسدس شہر آشوب مرزا باقر علی خاں کامل تخلص خلف اکبر مرزا زین العابدین خاں عارف کہ فی الحقیقت از عارف کامل کامل عارف باید گفت از میرزادگان و بزرگ خاندان است واز شاگردان مرزا قربان علی بیگ خاں سالک اند

تمام گلشن عیش و سرور تھی دہلی   تمام عشرت و فرحت ظہور تھی دہلی
تمام مطلع خورشید نور تھی دہلی   تمام غیرت صد کوہ طور تھی دہلی
ہر ایک کوچہ یہاں کا تھا ایک مکانِ عیش

یہ شہر تھا کہ الٰہی کوئی جہانِ عیش

ملک صفات تھا یاں کا ہر ایک فرد بشر   برا بھی یاں کا زمانے کے خوب سے بہتر
یہاں کے عام کو تھا فوق خاص دنیا پر   یہاں کے نام سے بکتا تھا مس بھی زر ہو کر

یہ فوج باغیہ کیا شہر میں خدا آئی
کہ قہر آیا غضب آیا اک بلا آئی

یہاں کے لوگوں کی کٹتی تھی عمر عشرت میں   جو روز عیش میں گزرا تو شب مسرت میں
پڑے ہوئے ہیں وہی اب تو رنج و حسرت میں   پھنسے ہیں غم میں گرفتار ہیں مصیبت میں

وہ شاہزادے کہاں اور وہ بادشاہ کہاں
رہا جو کوئی تو وہ مرتبہ وہ جاہ کہاں

یہ قلعہ رشک دہ گلستانِ رضواں تھا   یہ قلعہ خلد تھا اس میں ہر ایک غلماں تھا
یہ قلعہ تھا کہ خدایا کوئی پرستاں تھا   یہ قلعہ پیکرِ دنیا کے واسطے جاں تھا

نہ رہنے والے رہے اور نہ وہ مکان رہا
فقط دکھانے ہی کے واسطے نشان رہا

سنے جو کوئی تو ہاں درد دل عیاں کیجیے   صدائے طائر گم گشتہ آشیاں کیجیے
حیات بخش کا گر ماجرا بیاں کیجیے   تو چاہیے کہ بہت نالہ و فغاں کیجیے

یہ وہ جگہ ہے کہ جنت کو جس سے غیرت آئے
جو دیکھیں حور و ملک بھی کبھی تو حسرت آئے

وہ لعل پردہ کہ تھا جس سے احتشام عیاں   خوشی سے خسرو پرویز ہو جہاں درباں
عوام کو تو وہاں جانے کی مجال کہاں   کہ خاص خاص بھی جاتے تھے بس تو سجدہ کناں

جھکے ہی رہتے تھے جس جائے اک جہاں کے سر
قدم بھی اب نہیں دھرتا ہے واں کوئی جا کر

یہ وہ ہی چوک ہے میلہ تھا جس جگہ ہر روز   یہیں تو رہتے تھے مہ طلعتانِ دل افروز
نظر کو ہوتی تھی کیفیت سرور اندوز   جدھر کو دیکھتے تھی اک بہار کلفت سوز

نشان بھی نہیں اب تو ہجوم خلقت کا
بنی ہے وہ ہی جگہ بس مقام عبرت کا

یہ وہ ہے مسجد جامع کہ جس میں ایک جہاں نماز کے لیے آتا تھا دور دور سے واں
تبرکات جو اس میں تھے کیا ہو ان کا بیاں ادب سے کرتے تھے ان کی زیارت اہل زماں
وہ اس کی رونق بازار چار سو مت پوچھ
کہ ہم سے ہو نہیں سکتی ہے گفتگو مت پوچھ

نہ دیندار ہے یہ فوج اور نہ دینداری سیاہ رووں کو آتی تھی بس سیہ کاری
نہ جانتے تھے وہ کچھ بھی بجز ستمگاری حرام خوروں کو ہر دم تھا شغل میخواری
تمام نامۂ اعمال کو سیاہ کیا
ملایا خاک میں سب شہر اور تباہ کیا

وہ لوگ سیکڑوں رہتے تھے جن کے ساتھ سوار کیا پیادہ انھیں اے سپہر ناہنجار
اٹھائیں سر پہ وہ گٹھری کا کس طرح سے بار اٹھانا ایک قدم کا بھی جن کو ہو دشوار
تہ زمین جگہ چاہیے اماں کے لیے
دعائیں مانگتے ہیں مرگ ناگہاں کے لیے

نہ چھپے کوئی دم اور نہ چھپے کوئی آن فسردہ دل ہیں جو کرتے تھے عیش میں گزران
نہ ہوش ہی ہے ٹھکانے نہ باقی ہیں اوسان ذلیل و خوار ہیں، پھرتے ہیں جابجا حیران
فلک نے پھینک دیا ہے کہاں کہاں ان کو
بجائے زمزمہ ہے نالہ و فغاں ان کو

الٰہی بھاگ کے یاں سے کوئی کہاں جاوے کوئی نظر میں ٹھکانا نہیں جہاں جاوے
کوئی جگہ نہیں جس جا پہ باماں جاوے اگر زمین پھٹے تو سما وہاں جاوے
دکھائی دیتا ہے ہر اک عدوئے جاں اپنا
بنا ہے دشمنِ جانی یہ آسماں اپنا

کہاں تلک کوئی اس غم کی داستاں لکھے کہاں تلک کوئی کیفیتِ فغاں لکھے

کہاں تلک کوئی یہ دردِ خونچکاں لکھے   کہاں تلک کوئی بے داد آسماں لکھے
دعائے کاتبِ غمگیں ہو مستجاب خدا
بنی ہوئی نہ ہو کوئی جگہ خراب خدا

مسدس شہر آشوب حافظ غلام دستگیر صاحب متخلص بہ مبین خلف حافظ قطب الدین صاحب متخلص بہ مشیر کہ یکے از موزوں طبعان وخوش گویاں است، اصلاح سخن از والد ماجد خویش گرفتہ و پایہ شعر را بہ پایہ شعری می رساند

پسندِ خاطرِ ہر خاص و عام تھی دہلی   طلسمِ دلکش و جنت مقام تھی دہلی
طرب فزائے جہانِ صبح و شام تھی دہلی   گل خوشی سے معطر تمام تھی دہلی
اُجاڑا ایسا چمن جس کے غم سے دل ہے خوں
مٹے خزاں کی ہوا خاک میں ملے گردوں

بلا بلا پہ ہے نازل خراب ہے دہلی   تباہ ہوگئی کیسے شتاب ہے دہلی
ستم ہے موردِ ظلم و عتاب ہے دہلی   ہزار حیف کہ وقفِ عذاب ہے دہلی
ہوا جو دیدۂ خور غم سے سرخ کیا ہے عجب
کہ تار اشک ہے تارِ شعاعِ مہر میں اب

مثال خلد بریں بے مثال تھی دہلی   گلِ کمال سے پر یہ کمال تھی دہلی
سپہرِ اوجِ تجلی مآل تھی دہلی   غبارِ غم سے صفا مہ جمال تھی دہلی
چمن طراز یہ دہلی فلک کو خار ہوئی
نیازِ برقِ فنا نزہتِ بہار ہوئی

یہ شہر وہ تھا نہ تھا غم خوشی کی تھی کثرت   یہ شہر وہ تھا نہ تھا رنج تھی عجب راحت
یہ شہر وہ تھا کہ کہتے تھے گلشنِ عشرت   یہ شہر وہ تھا کہ ہوتی تھی دل کو یاں فرحت
ملی وہ خاک میں صورت کہ رو رہا دل ہے
مٹی وہ شکل کہ ہر خشت فرد باطل ہے

یہ شہر وہ تھا کہ جان جہاں تھا اس کا خطاب　　یہ شہر وہ تھا کہ جنت نشاں تھا اس کا خطاب
یہ شہر وہ تھا کہ آرام جاں تھا اس کا خطاب　　یہ شہر وہ تھا کہ گوہر فشاں تھا اس کا خطاب
کیا حوادثِ دوراں نے اس کو بھی پامال
یہ صادق آئی مثل ہر کمال کو ہے زوال
یہی تھا رشک جناں شہر اب ہے خارستاں　　یہی تھا حسن کدہ شہر اب ہے صرف خزاں
یہی تھا عیش فزا شہر اب ہے جو ویراں　　یہی تھا حورستاں شہر اب ہے وحشستاں
یہ شہر خلد تھا، ویرانیوں کا اب گھر ہے
جسے بہار ہے، اس کو خزاں مقرر ہے
یہ وہ جگہ تھی یہاں سے قدم نہ اٹھتا تھا　　یہ وہ جگہ تھی مسافر وطن تھا نام اس کا
یہ وہ جگہ تھی کہ غم تھا نہ کوئی بھی اس جا　　یہ وہ جگہ تھی کہ ہر درد کی بہم تھی دوا
ہوا کچھ ایسی چلی خاک میں ملا یہ شہر
خرابہ و الم آباد بن گیا یہ شہر
یہاں کا روز تھا ہر روز روزِ عید جہاں　　یہاں کی شب بھی شب قدر ماہ نور افشاں
یہاں کی شام تھی چوں زلف عنبرین بتاں　　یہاں کی صبح تھی ہم نورِ عارضِ خوباں
یہ دہلی وہ تھی کہ جس سے جہان روشن تھا
یہ شہر وہ تھا کہ نام اس کا نورِ مخزن تھا
یہاں کی صفا زا تھی شام مشک ایجاد　　یہاں کی شب شبِ راحت تھی روز روز مراد
یہاں کی آن تھی آن سمن بر نوشاد　　یہاں کی ہر گھڑی پُر عیش تھی طرب آباد
خدا ہی جانے اسے بددعا لگی کس کی
کھلا ہنسی پہ لب حرف غم مٹی یہ ہنسی
عمارتوں سے بنا تھا طلسم خانہ مگر　　نہ چشم خانہ میں آتی تھی وہاں سے پھر کے نظر
ہر ایک خشت تھی آئینہ اور گل عنبر　　بہشت خانہ تھا ہر خانۂ صفا پرور
فلک نے ڈھایا ستم شہر یہ خراب ہوا

عذاب کا بھی فرشتہ یہاں پر آب ہوا

یہاں کے لوگ تھے علم و ہنر سے سب کامل یہ وہ تھا ملک کہ تھی اس سے جملہ شے حاصل
حکیم و شاعر و عالم مہندس و عاقل سبھی تھے جمع یہ تھا شہر دید کے قابل

ہزار حیف کہ بن بن کے بگڑیں تصویریں
ملیں گناہوں کی محشر سے پہلے تعزیریں

ہوا زمین کے ماتم میں چرخ نیلی پوش ہر ایک کوچہ ہے یہاں کا محلۂ خاموش
کہاں وہ بزمِ نشاط اور کہاں خوشی کا وہ جوش ہر ایک دل سے ہجوم قلق ہے ہم آغوش

یہ فرط جنبش مژگاں سے حال روشن ہے
خوشی کا مردمکِ چشم کرتی شیون ہے

خجل تھا جن سے ہر اک گل وہ ایسے خار ہوئے مثال سبزہ بیگانہ ہائے خوار ہوئے
بسان ابر گہر بار اشک بار ہوئے قرار دل کا گیا غم سے بے قرار ہوئے

وہ کم ہے ذرہ سے جو شکل آفتاب سی تھی
وہ غرقِ خون کفِ نازک ہے جو گلاب سی تھی

یہ وہ جگہ ہے کہ جس پر برستی ہے حسرت یہ وہ جگہ ہے کہ حیراں ہے دیدۂ حیرت
یہ وہ جگہ ہے رُلاتی ہے کثرتِ عبرت یہ وہ جگہ ہے جسے کہیے محشرِ آفت

یہ وہ جگہ ہے فرشتوں کی جان ڈرتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ دم مرگ جس کا بھرتی ہے

ہر ایک سو ہے یہ غارت گری سے ویرانہ کہ مثل دیدۂ گریاں ہے ہر درِ خانہ
رلا رہا ہے فرشتوں کو بھی یہ افسانہ نہ وہ ہیں گھر نہ وہ محفل نہ شمع پروانہ

بنا ہے گنج شہیداں بسان خرمن گل
فرشتہ نعشوں پہ اب نالہ کش ہیں جوں بلبل

جو ہائے پھولوں کے گنٹھے کو کہتے تھے بھاری انھیں نصیب ہوا طوق کرتے ہیں زاری
یہ اُن کی نازکی اور حیف قید کی خواری دموں پہ آن بنی جان سے ہے بیزاری

وہ رو کے کہتے ہیں زنداں سے کیوں کہ ہوں باہر
کہ ہم کو رو کے ہے زنجیر پاؤں پڑ پڑ کر

فلک نے چھین لیا ہائے جان کا آرام   سحر ہے شعلہ فشاں پیکر بلا ہے شام
وہ فتنہ زا ہے زمیں خوش نہیں ہے کوئی مقام   خوشی کی کیا ہو خوشی غم سے جو کہ ہو ناکام
اُداس پھرتے ہیں کوئی خوشی نہیں بھاتی
یہ دل پہ غم ہے کہ لب پر ہنسی نہیں آتی

قیامت آئی قیامت سے کس لیے پہلے   دکھائے کس لیے قسمت نے حادثے ایسے
جو غم نہ سہنے کو جی چاہے آنکھ سے دیکھے   کہاں تلک کوئی روئے کہاں تلک پیٹے
کہیں پدر ہے تڑپتا کہیں پسر بے تاب
غضب ہے تفرقہ پرداز چرخ خانہ خراب

جو انتخاب جہاں میں تھے نازنیں دلبر   فلک سے کہتے ہیں دکھلا کے اپنے دیدۂ تر
ستم کی جا ہے یہاں نیند آئے اب کیونکر   یہ سنگِ خارہ کا تکیہ یہ خاک کا بستر
الٰہی خاک میں مل جائے گردشِ ایام
گھڑی گھڑی ہے قیامت کی دشمن آرام

جو یاد آئے شبستان عیش کی لذت   نہ ہو نصیب دل و جاں کبھی گلِ راحت
نہیں ہے رونے سے دن رات کے ذرا فرصت   ٹپکتے اشک ہیں ہر دم برستی ہے حسرت
وہ طرزِ گریہ کہ روتا ہے جس پہ ابر بہار
وہ اضطراب کہ تڑپے ہے برق سو سو بار

گھر ایسے لٹ کے ہوئے ہیں خراب کیا میں کہوں   کہ جیسے خشک ہوں بے اشک دیدۂ پرخوں
نہ زر نہ سیم نہ پوشاک نے در مکنوں   لبوں پہ آتے ہیں اب نالۂ دلِ محزوں
جو درفشاں تھے کف دست ہیں خزف آگیں
گہر جو دیتے تھے کوڑی بھی ان کے پاس نہیں

وہ لوگ جن کے دروں پر ہجوم خلقت کا   اور ان کے نام سے زندہ تھا نام حاتم کا

وہ در بدر ہوئے ایسے تباہ اور رسوا کہیں زمین پہ ان کو ملی نہ امن کی جا
فلک کو دیدۂ حسرت سے بھوک میں دیکھا
ہلال چرخ کو سمجھے وہ نان کا ٹکڑا
جولوگ دیتے تھے زرمان کے ہائے پھیلےہات زلا رہی ہے اب ایسوں کو مفلسی ہیہات
دموں پہ آن بنی ان کے اور بگڑی بات فقط ہے گوشۂ تنہائی میں خدا کی ذات
ہزاروں جن کے تھے نوکر اکیلے پھرتے ہیں
وہ رو کے اٹھتے ہیں ناطاقتی سے گرتے ہیں
وہ اژدہام غم و یاس و حسرتِ پیہم وہ دل ہے غم کدہ جس میں خوشی کا ہے ماتم
دکھا رہا ہے فلک وقتِ صبح روئے ستم بنا ہے چشمۂ حسرت ہر ایک دیدۂ نم
نصیب کنج مصیبت میں آہ و زاری ہے
ہزار طرح کی آفت ہے بے قراری ہے
خدا کی شان جو رکھتے تھے چوبدار و نقیب بنایا طالعِ بد نے ہے ان کو ایسا غریب
نہ فرق نوکر و آقا میں اب ہے وائے نصیب چھپاتے پھرتے ہیں منہ وہ بنی ہے شکل عجیب
پھراتی کوچۂ رسوائی میں ہے اب تقدیر
ہر ایک در پہ ہیں دریوزہ گر امیر و کبیر
جو پاؤں خوگرِ گل تھے نثارِ خار ہوئے جو ہاتھ پر تھے نزاکت سے وہ فگار ہوئے
جو دل کہ موجدِ راحت تھے بے قرار ہوئے جو لوگ عیش پہ نازاں تھے اشک بار ہوئے
بنی کچھ ایسی دموں پر کہ آہ بھرتے ہیں
اجل کے نام سے ڈرتے تھے جو وہ مرتے ہیں
دوشالہ پوش تھے جو بے کفن زمیں میں گئے جو قصر رکھتے تھے، بے گور خاک میں وہ ملے
بجا ہے ایسوں پہ چشم فلک ہی گر رو دے یہ وہ ہے غم کہ گریبانِ خامہ ہے ٹکڑے
نشانِ گور میسر نہ خاک پر ہے چراغ
چراغ گور کے بدلے ہے دل کا روشن داغ

نہ آب و دانہ اسیرانِ غم کو ملتا ہے الٰہی یہ قفس چرخ رنج افزا ہے
بجائے آب ملے اشک رونے کی جا ہے غذا ہے غم کی شب و روز حال ایسا ہے
نہ شیر خواروں کو ملتا ہے شیر وائے غضب
زبان پھیرتے معصوم ہیں لبوں پر اب
نہ دیکھا تھا جو ستم وہ فلک سے اب دیکھا یہ وہ ہے حادثہ جس سے جگر بھی ٹکڑے ہوا
پدر کے سامنے بیٹے کو قتل ہائے کیا غم آئے یاد نہ کیوں کر جنابِ اصغر کا
یہ کربلا کا نمونہ دکھاتی ہے دہلی
پدر کو نعش پسر پر رُلاتی ہے دہلی
اگر ہو دفترِ محشر تو ہووے صرفِ بیاں نہیں زبانِ قلم کو ہے اتنی تاب کہاں
بنا ہے چشمۂ غم ہائے دیدۂ گریاں جگر ہے ٹکڑے یہ وہ واقعہ ہوا ہے عیاں
نصیب دہلی کے چمکیں الٰہی ہو آباد
ہر ایک کوچہ ہو رشک صنایعِ بہزاد

ایضاً

دل غنی رکھا سخاوت پہ نہ زر والوں نے شکر نعمت نہ کیا ہم سے بد اقبالوں نے
گھر سے بے گھر جو کیا ہے تو انھیں چالوں نے پھینکا صحرائے پر آفت میں انھیں جالوں نے
ظلم گوروں نے کیا او رنہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
ہائے کیا کیا نہ زمانے کے کیے مکروہات ناچ اور رنگ میں دن رات گزارے اوقات
عیش میں محو رہے بھول گئے صوم و صلوٰت زر کی الفت میں ادا بھی نہ کیے حج و زکوٰۃ
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
گم ہوئے دام و درم غم کی خریداری ہے جا بجا دامِ مصیبت کی گرفتاری ہے

ظلم جو ہو کوئی یہ اس کی گنہگاری ہے   اب یہ کیوں جوش شکایت کی دل آزاری ہے
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
مے کے بدلے ہمیں خوں نابۂ دل آہ ملا   دل کباب آتش عصیاں سے قیامت ہے ہوا
عیش مرحوم کا ماتم دل گریاں نے کیا   دن برے آئے نتیجہ ہے برائی کا برا
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
مجمعِ وعظ سے تھا ہائے گریزاں یہ دل   تھی حسینوں کے فسانے پہ طبیعت مائل
انتقامِ عمل بد سے رہے ہم غافل   خاک ہے چمن، فلک سے ہیں بلائیں نازل
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
وائے ناکامی قسمت رہی غفلت ہردم   نیک کاموں سے رہی ہائے یہ نفرت ہردم
مہ جبینانِ جہاں سے رہی صحبت ہردم   تھی شبستان خرابات سے الفت ہردم
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
بے سبب کاہے کو دیتی ہے یہ گردش تقدیر   ہیں سزاوار جفا یاد ہے ہر اک تقصیر
کیا زباں میں ہو اثر اور دعا میں تاثیر   یعنی ہر جرمِ گزشتہ کی عیاں ہے تعذیر
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے
کنج تنہائی میں کرتے نہیں ہم خواریِ غم   چشمہ اشک ندامت ہیں بنے دیدۂ نم
ساغر مے کے عوض لب پہ ہے توبہ ہردم   عیش جتنے ہی کیے اتنے ہوئے رنج و الم
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے

غرض یارب یہ بین کی ہے کہ اب بخشش کر رحم جز تیرے کرے کون گنہگاروں پر
سوئے عصیاں منگر بر کرم خویش نگر پڑھ کے اس مطلع پُر درد کو روتے ہیں بشر
ظلم گوروں نے کیا اور نہ ستم کالوں نے
ہم کو برباد کیا اپنے ہی اعمالوں نے

ایضاً

یہ نئی ہے گردش چرخ کہن دشمن جاں ہے جفائے دل شکن
وہ بلا آئی گئی ہے دل پہ بن اب نہیں ہے ہائے جائے دم زدن
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد وزن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
پہلے محشر سے قیامت آگئی حشر کی سر پر مصیبت آگئی
لب پہ گردوں کے شکایت آگئی جان پر افسوں پر آفت آگئی
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
لٹ گیا اسباب چھوڑا سب نے گھر اب ہے صحرائے مصیبت کا سفر
حالِ بد پر اپنے ہردم ہے نظر اس مصیبت کی نہ تھی اصلاً خبر
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
مفلسی کی ہر طرف اب ہے پکار مال کو روتے ہیں اپنے مالدار
غم ہے کھانے کے لیے لیل و نہار آب کی جا اشک دے ہے چشم زار
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
پاؤں میں جوتے نہ سر پر ہے کلاہ تن ہے عریاں، ساری خلقت ہے تباہ

ہے فلک کے ظلم پر سب کی نگاہ خستہ دل اللہ سے ہیں داد خواہ
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
ہے قیامت کا نمونہ دیکھ لو کچھ نہ بیٹے کی خبر ہے باپ کو
بھائی کی بھائی کو کب ہے جستجو باغ عالم میں نہیں الفت کی بو
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
فرش گل کی جا ہے بستر خار کا رنگ فق ہے ہر جگر انگار کا
صدمہ ہے اندوہ کے آزار کا دل فسردہ حال ہے بیمار کا
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
خواب ہائے عیش کو کیا ہوگیا یہ ہی افسانہ ہے کیا تھا کیا ہوا
کیا کیا تو نے یہ چرخ پُر جفا یہ ستم تھا اے ستمگر کب روا
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
آہ بر لب چشم پُرنم زرد رُو ہے پریشانی قیامت مو بہ مو
ہائے ہائے کی صدا ہے چار سو خاک میں سب کی ملی ہے آبرو
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن
شہر تھا یہ ثانی خلدِ بریں اس چمن کے گل ہوئے صحرانشیں
ہوگئی ویران دہلی کی زمیں اس ستم پر دل ہے روتا اے مبیں
پا برہنہ گھر سے نکلے مرد و زن
لوگ دہلی کے ہیں سارے نعرہ زن

مسدس شہر آشوب از تازہ نوائے حکیم محمد محسن خاں متخلص بہ محسن خلف
اصغر حکیم محمد حسن خاں مرحوم و مغفور از شاگردانِ نواب غلام حسن خاں محو آئند

دیارِ ہند میں یہ تخت گاہ تھی دہلی ثریا جاہ و فلک بارگاہ تھی دہلی
تمام شہروں کی پشت و پناہ تھی دہلی گناہ گار ہوئی بے گناہ تھی دہلی
یہ انقلابِ زمانہ سے ہوگئی برباد
اُکھڑ کے جھک گئی اب اُس کی بیخ اور بنیاد

یہ شہر وہ ہے کہ تھا افتخار ہفت اقلیم محل پایۂ اورنگ خسروانِ قدیم
شکوہ رفعت و شوکت میں رشک عرش عظیم فضا و حسن میں غیرت فزائے باغ نعیم
خدا ہی جانے کہ اس پر لگی ہے کس کی نظر
ہر ایک قصبہ و قریہ سے ہوگیا کمتر

اسی کو کہتے تھے سب رشک خطۂ کشمیر اسی کو کہتا تھا عالم مرقعِ تصویر
نہ تھا جہان میں اس کا کوئی عدیل و نظیر مہوشوں کے لیے جس کی خاک تھی اکسیر
کوئی تو ایسا ہی سرزد ہوا ہے اس سے قصور
مثالِ بختِ سیہ ہوگیا جو یہ بے نور

اسی سے ہوگئی اقلیم ہند کو زینت اسی سے پائی ہر ایک اہلِ ہند نے عزت
اسی کو دیتے تھے سب باغِ خلد سے نسبت اسی کی ہو رہی سارے جہان میں شہرت
جہاں میں ہوگیا یہ شہر اس قدر بدنام
یہاں سے چھوڑ کے جاتے ہیں لوگ اپنے مقام

وہ لعل قلعہ جسے کوہ طور کہتے تھے فضا کو جس کے فضائے قصور کہتے تھے
وہ نازنین جنھیں رشک حور کہتے تھے وہ شاہزادہ جنھیں سب حضور کہتے تھے
رہا نہ کوئی حسیں اور نہ کوئی وارث تخت
مٹانے تخت کو آیا تھا بخت خاں کمبخت

وہ لال پردہ کہ بس پردہ پوشِ عالم تھا   وہ گویا پردہ پُرنورِ چشم آدم تھا
وہ مجرا گاہ سلاطین و حاتم و جم تھا   وہ سجدہ گاہ نریماں و زال و رستم تھا

تمام کھودتے پھرتے ہیں اس جگہ مزدور
ظہور اُس کا ہوا جو خدا کو تھا منظور

وہ نو محلّہ کہ تھا رشک کوچہ و بازار   طواف کرتی تھی ہر صبح جس کا بادِ بہار
ہر اک مکان مصفا تھا صورتِ گلزار   بنا تھا کوچہ ہر ایک اُس کا مصر کا بازار

اب اُس محلّہ کا باقی رہا نہ نام و نشاں
نظر وہ قلعہ میں آتا ہے مثل گورستاں

وہ جنگی ڈیوڑھی جو تھی رشکِ وادیِ ایمن   کہ شمعِ طور تھی ہر ایک وہاں کی شمع لگن
مہک رہی تھی وہ پھولوں سے صورتِ گلشن   سجی ہوئی تھی حسینوں سے مثل صحن چمن

وہ دشت قیس کی مانند ہوگئی ویران
جرس کی آتی ہے آواز اُس جگہ ہر آن

ہوئی وہ ڈیوڑھی کی بنیاد اس طرح برباد   کہ گویا پھینک دی اُس کی اُکھیڑ کر بنیاد
نشان بھی نہ رہا اُس کا اب کسی کو یاد   ہر ایک دیکھ کے بس اُس کو کرتا ہے فریاد

الٰہی کیا ہوئے سب یہاں کے اب مکان مکیں
فلک اُٹھا کے کہیں لے گیا ہے یاں کی زمیں

وہ لال جوڑے پہن کر کوئی نکلتی تھی   وہ بانکپن سے اٹھا پائینچوں کو چلتی تھی
وہ ہاتھ پاؤں میں مہندی کو اپنے ملتی تھی   وہ بات بات میں انداز سے مچلتی تھی

ہوئی ہیں رنج و تردد میں اب تو وہ محبوس
بجائے مہندی کے ملتے ہیں وہ کفِ افسوس

دکھاتا اُن کو تبسم سے وہ لب اعجاز   سناتے اُن کو وہ شوخی سے ناز کی آواز
مچل مچل کے دکھاتا وہ اُن کا عشوہ و ناز   نئی ادا سے دکھانا وہ چال کا انداز

یہ اُن کا ہوگیا ہے اب تباہی سے احوال

کہ ساری بھول گئے اپنی وہ ادا کی چال

کسی کے جعد معنبر میں نقرۂ موباف   کسی کا چہرہ پُرنور مثل آئینہ صاف
کروں میں محرم وکرتی کا ان کی کیا اوصاف   قلم کی طرح سے ہوتا ہے غم سے سینہ شگاف

نصیب اُن کو شب و روز اب ہے سینہ زنی
ملے ہے کھانے کو ہیرے کی بھی نہ اُن کو کنی

وہ لوگ بستر سنجاب پر جو سوتے تھے   سحر گلاب سے جب منہ کو اپنے دھوتے تھے
تمام عمر کو لہو و لعب میں کھوتے تھے   وہ بال بال میں موتی سدا پروتے تھے

اب اُن کا حال تباہی سے ایسا ابتر ہے
بچھونا خاک ہے اور خشت بالش سر ہے

جو کنٹھے پھولوں کے پھرتے تھے پہنے گردن میں   اکڑتے پھرتے تھے مانند سرو گلشن میں
سراپا محوِ تماشا تھے اپنے جوبن میں   خوشی سے پھولے سماتے نہ جامہ تن میں

ہوئے وہ ان دنوں نانِ شبینہ کو محتاج
اگرچہ شیر تھے پر ہوگئے وہ رو بہہ مزاج

سحر نے اپنا گریبان کیا ہے غم سے چاک   اُڑاتی پھرتی ہے سر پر صبا چمن میں خاک
رہے ہے نرگس بیمار بھی سدا غم ناک   پہن کے بیٹھی ہے سوسن بھی ماتمی پوشاک

بہارِ گلشن دہلی پہ آگئی ہے خزاں
رہا نہ صفحۂ ہستی پہ ان کا نام و نشاں

ہر اک مکاں تھا یہاں رشکِ روضہ رضواں   ہر اک جواں تھا یہاں رشکِ حور اور غلماں
ہر ایک کوچہ میں موجود عیش کا ساماں   ہر اک مکان میں رہتی تھی محفلِ خوباں

بجائے بلبل و طاؤس بولتے ہیں کلاغ
ہر اک مکان میں موجود آشیانۂ زاغ

ہر ایک کمرہ تھا روشن بسان برج حمل   مثال کاخ مصور سجا ہوا بے مثل
یہ ہورہی در و دیوار اُن کے پر صیقل   نظر وہ آتی تھی جو چیز تھی ادھر اوجھل

نہ وہ حسین رہے اور نہ وہ مکان دکمیں
سڑک کے واسطے دلّی میں رہ گئی ہے زمیں
ہر اک حکیم یہاں تھا ارسطوئے ثانی　ہر اک امیر کو تھا دعوئِ سلیمانی
ہر اک حسین یہاں رشکِ ماہ کنعانی　ہر اک فقیر کو حاصل تھا علمِ عرفانی
بسانِ نقشِ قدم ہوگیا ہر اک پامال
دیارِ ہند سے سب اٹھ گئے ہیں اہلِ کمال
وہ ہائے رہتی تھیں دہلی میں لولیانِ حسیں　کوئی تھی حور شمایل کوئی تھی زہرہ جبیں
خجل تھا عارض روشن سے جن کے ماہِ مبیں　سرود و رقص سے پامال اُن کے اہلِ زمیں
یہ انقلاب فلک سے وہ ہوگئیں ناچار
جہاں میں پھرتی ہیں آوارہ مثلِ گرد و غبار
بنے ہوئے تھے وہ چوپڑ کے چوک میں بازار　کہ جیسے چار چمن ہوں بہ سطحۂ گلزار
ہر ایک دیدۂ آئینہ روشن و ہموار　خجل تھا جس سے خطِ عارضانِ گل رخسار
ہر اک دکان میں بیٹھا ہوا ہے فریادی
ٹپک رہی در و دیوار سے ہے بربادی
اور اُس میں حوض تھا اک مثلِ چشمۂ کوثر　بجائے آب وہ لبریز نور سے یکسر
ضیا میں چشمۂ خورشید سے بھی روشن تر　صفا میں چادرِ مہتاب کا تھا وہ ہمسر
سراپا بھر دیا ہے اس میں یہ خس و خاشاک
اٹا ہوا وہ پڑا ہے بہ شکل تودۂ خاک
یہ نہر دونوں طرف خوشنما تھی اس کے رواں　زمیں میں چھپ گیا خجلت سے چشمۂ حیواں
صفائے آب سے شرمندہ اُس کی تھا نیساں　لبوں کو چاٹتے تھے پانی پی کے حور وشاں
ہوئی ہے فرطِ کدورت سے اب وہ خاک آلود
تمام خاک میں بس مل گئی ہے اُس کی نمود
وہ موجیں اُس کی لطافت میں مثلِ کاکلِ حور　حباب اُس کے نمایاں بہ شکلِ قبۂ نور

چراغ اُس کے فروزاں بہ مثلِ شعلۂ طور　　بہ وقتِ سیر وہ تھی خاص و عام کی منظور
یہ کاو کاو زمانہ سے ہوگئی ہے خراب
کہ جیسے ماہی تڑپتی ہے خاک پر بے آب
بہ گرد بوقلموں اُس کے کثرتِ اشجار　　شگفتہ چار طرف گویا تختۂ گلزار
نثار ہوتی تھی ہر صبح اُس پہ بادِ بہار　　ہجومِ خلق سے رونق فزا وہ لیل و نہار
خزاں رسیدہ نظر آئے ہے ہر ایک شجر
ہر ایک برگ بنا اُس کا صورتِ محشر
سناتے پھرتے تھے سقے کٹوروں کی جھنکار　　وہ گل فروشوں کے پھولوں کے ٹوکروں کی بہار
وہ سودا بیچتے تھے لوگ واں پکار پکار　　وہ پھرنا خوانچہ والوں کا وہاں قطار قطار
رکھا تھا دہلی کا لوگوں نے نام عشق آباد
بسان خانۂ عاشق وہ ہوگئی برباد
جو نافِ شہر میں واقع تھی مسجدِ جامع　　بہ حسن وسعت و رفعت میں گویا تھی جامع
بسانِ برجِ حمل اُس کے برج میں لامع　　موذنوں کے فرشتے وہاں کے تھے سامع
نہ کیوں کہ ہووے جہاں میں وہ واجب التعظیم
بنی ہوئی ہے سراسر وہ شکلِ عرشِ عظیم
تھے اُس کے چار سو چوپڑ کے خوشنما بازار　　خجل تھا جن سے خطِ عارضانِ گل رخسار
بہ رنگ بزم وہ آراستہ تھے لیل و نہار　　سہ پہر کو گدڑی کی تھی سیڑھیوں پہ بہار
فلک نے کردیا ہر سمت اُس کے ویرانہ
بنا ہے ایک طرف اُس کے اب شفا خانہ
نمازی دیکھ کے ہر صبح اُس کو روتے ہیں　　مدام چہروں کو اشکوں سے اپنے دھوتے ہیں
اسی کے رنج و تاسف میں جان کھوتے ہیں　　نہ دن کو کھاتے ہیں نہ رات کو وہ سوتے ہیں
وہابی ہوگئے ہیں سارے ان دنوں باہم
کسی کو رکھنے نہیں دیتے اُس جگہ پہ قدم

یہ شہر وہ ہے کہ تھے اس میں خلد کے ساماں　　ہر ایک شخص یہاں تھا بجائے خود رضواں
ہر ایک طفل یہاں کا تھا ثانیِ غلماں　　دبیر چرخ کا ہمسر تھا یہاں ہر ایک جواں
رہا نہ کوئی جواں اور نہ کوئی پیر امیر
برائے مخبری کے رہ گئے ہیں چند شریر
اکڑ کے پھرنا جوانوں کا وہ سر بازار　　پہن کے ٹوپیاں زریں و باندھ کر دستار
کسی کے ہاتھ میں بانڑی کوئی لیے تلوار　　کوئی تھا گھوڑا کداتا کوئی تھا فیل سوار
نہ وہ جوان رہے اور نہ کوئی ہے خوشحال
رہے ہیں دہر میں اب کھانے والے ماش کی دال
مدام جنتی لوگوں کو رہتی ہے حسرت　　کہ اُن کے واسطے حق نے بنائی ہے جنت
عبث ہے منعموں کو ناز سطوت و شوکت　　مثال سانپ کے لپٹے گی اُن کو یہ دولت
جو اہلِ دین ہیں اُن کے لیے ہے باغِ نعیم
جو مشرکین ہیں اُن کو ملے گی نارِ جحیم
میں دردِ دل کہوں اب کس سے جا کے اے محسن　　نہ کوئی یار رہا ہے نہ کوئی اہلِ وطن
شبانہ روز ہوں میں مبتلائے رنج و محن　　مٹا ہے سامنے آنکھوں کے میری یہ گلشن
خدا کرے کہ یہ ہوجائے پھر چمن آباد
مثال گل کے ہوں باشندہ یاں کے خرم و شاد

شرارہ سیومی از افکار تازہ حکیم محمد حسن خاں متخلص بہ احسن خلف اکبر حکیم محمد حسن خاں صاحب مرحوم ومغفور از رؤسائے قدیم دہلی است وخوش می گوید

ہائے وہ لوگ جو تھے روح و روانِ دہلی　　تا در خلد گئے کر کے گمانِ دہلی
خر موسیٰ صعقا کی ہے تجلی پیدا　　بقعۂ نور ہے ہر ایک مکانِ دہلی
چاندنی چوک کو سینہ کہیں اور قلعہ کو سر　　مسجدِ جامع کو ٹھہرائیں میانِ دہلی
لامِ دہلی علم و ہائے کا شوشہ پرچم　　اب تو باقی ہے فقط نام و نشانِ دہلی

کیا کوئی فتنہ ہے اے چرخ ستمگر باقی　　چشم خورشید سے کیوں ہے نگرانِ دہلی
غم بربادی دہلی میں بجائے مئے ناب　　خونِ دل پیتے ہیں اب بادہ کشانِ دہلی
یہ محبت ہے مجھے یاں سے کہ بعد از مردن　　روزنِ قبر سے بھی ہوں نگرانِ دہلی
کیا عجب ہے کہ یہی خلد میں بولی جاوے　　اہلِ جنت کو پسند آئے زبانِ دہلی
سینہ احسن کا جو چیرا تو بہ قولِ رضواں
دل خون گشتہ پہ ہے داغ زبانِ دہلی

ایضاً

شہر خالی شدہ از پیر و جوانِ دہلی　　رفت برباد متاعِ دل و جانِ دہلی
ایں طلسمے بود و عذر کشایندہ آں　　کس نہ دانست چو من سرِ نہانِ دہلی
دلِ حسرت زدۂ من شدہ گنجِ قاروں　　درہم داغ الم داد زبانِ دہلی
عینک مہر بہ چشم فلک پیر چرا ست　　بہ خیالست نموار نشانِ دہلی
احسن خستہ جگر رفت بسوئے جنت
حوریاں را مگر آموخت زبانِ دہلی

سحر طرازی مولوی ممتاز حسین صاحب بجنوری متخلص بہ احقر کہ مرد خوش گو و خوش فکر اند و ہم در ریختہ و ہم در فارسی سخن می سراید

ہائے افسوس کہ آفت زدگانِ دہلی　　جان لیتے ہیں جو کرتے ہیں بیانِ دہلی
خلد کے نام کو اب چاہیے دہلی لکھیں　　جا بسے جب کہ وہاں سارے سرانِ دہلی
کیا فصاحت کا کہوں حال کسی سے نہ سنی　　عرش سے فرش تلک مثلِ زبانِ دہلی
دین شائع تھا یہاں تک کہ صنم خانوں میں　　درس توحید سناتے تھے بتانِ دہلی
اے فلک یہ بھی ہے انصاف کوئی ناانصاف　　شہر ویرانہ ہو اب نام و نشانِ دہلی
قدسیوں کو نہیں آرام کہ تا روزِ جزا　　عرش پر جائے گی ہر لحظہ فغانِ دہلی

فیضِ خواجہ سے وہ ہے نزدِ خدا عزت سے　　گرچہ ظاہر میں گئی عزت و شانِ دہلی
آلِ فرعون کے جوں ظلم سے آلِ موسیٰ　　ایسے بے کس ہوئے افسوس کسانِ دہلی
کوئی باقی نہ رہا ایسے فلک کے برباد　　خضر و الیاس ہیں اب فاتحہ خوانِ دہلی
جس کو رضواں نے کئی بار خدا سے چاہا　　تھا وہ دنیا میں بلاریب مکانِ دہلی
یا خدا تو ہی ملک بھیج کہ آباد کریں　　کوئی باقی نہیں اب مرتبہ دانِ دہلی
شکر ایزد کہ رہی مسجد جامع قائم　　اب توقع ہے یہ کہ بچ گئی جانِ دہلی
کون سا غنچۂ دل تھا کہ نہ پژمردہ ہوا　　ہند میں ایسی چلی بادِ خزانِ دہلی
یہ خدا داد تھی واں عقل کہ ہنگامِ جزا　　شیر پر ہوتے تھے سوار شہانِ دہلی
اب بھی ایسے ہیں کہ رزک پائے فلاطوں ان سے　　کوئی اڑ جائے اگر ہیچمدانِ دہلی
ہیچ تدبیر ہے تقدیر کے آگے ورنہ　　کیسے کیسے تھے ذکی پیر و جوانِ دہلی
چل بسے ملکِ عدم کو کوئی باقی نہ رہا　　وائے بر جور فلک فیض رسانِ دہلی
آج اُس باغ میں ہر جا پہ ہیں اشجارِ زقوم　　ظلِّ افگن تھے جہاں سرو چمانِ دہلی

جان اجقر کی طرح بے سروساماں ہی
لے گیا کون خدا تاب و توانِ دہلی

شاعرِ نازک خیال ماثرِ بے مثال حکیم محمد مرزا خان المتخلص بہ اکرام از ان اوست

پوچھ مت حالِ زبانِ دہلی　　ہائے میں اور بیانِ دہلی
اب تو نکلا تیرا اے چرخ غبار　　مل گئی خاک میں شانِ دہلی
دولتِ حسن کو غم نے لوٹا　　چھپ گئے سیم برانِ دہلی
بن کہے چہرہ کہے دیتا ہے　　بے کسی ہائے کسانِ دہلی
خاک میں مل گئے الماس ہنر　　کھود کر دیکھ تو کانِ دہلی
یہ بھی ویسا ہی ہوا چاہتا ہے　　جیسے پہلا ہے نشانِ دہلی
اب تو جز حسرت و افسوس و الم　　کوئی آتا ہے میانِ دہلی

گریہ کی سیل ہے یہ نہر نہیں   روتے ہیں پیر و جوانِ دہلی
نہ وہ صورت رہی نے وہ زینت   غدر تھا آفت جانِ دہلی
نام سے اس کے ہے ایک جزوآباد   اب ہے ویران جہانِ دہلی
فرطِ بارش نے گرائے اکرامؔ
کچھ تو باقی تھے مکانِ دہلی

میر شاہ جہان صاحب داماد مولوی نذیر حسین صاحب متخلص بہ احمد
فکر رسائی دارد و طبع معنی یاب

حیف برباد ہوئی شوکت و شانِ دہلی   ہاں مگر نام کو باقی ہے نشانِ دہلی
کیا مہم تجھ پہ پڑی سچ تو بتا پیر فلک   تو نے چن چن کے بلائے جو جوانِ دہلی
کیوں نہ پوچھو کہ یہ آذر نے بنائے تو نہیں   دستِ قدرت نے تراشے ہیں بتانِ دہلی
کیوں چھپا پردہ ظلمات میں آب حیواں   اُس نے دیکھا تھا مگر آبِ روانِ دہلی
ذکر وہ آکے سنے خلد کا تم سے واعظ   جس نے دلی میں نہ دیکھے ہوں مکانِ دہلی
حشر میں حضرت باری کو بھی ہوگا افسوس   جب کہ پہنچیں گے وہاں مرثیہ خوانِ دہلی
اہلِ پورب کو غزل تم نہ سنانا احمدؔ
سیکھ جائیں نہ کہیں طرزِ زبانِ دہلی

طبع زاد شاعرِ بے مثل و ناظم بے بدل حکیم تجمل رسول خاں تجمل تخلص خلف
ممتاز الدولہ نواب غلام رسول خاں صاحب مرحوم و مغفور در فنِ شاعری
از تلمیذانِ حکیم آغا جاں صاحب عیش اند و در علم طب از شاگردانِ مصلح
الملک حکیم اسد علی خاں سرور و از رؤسائے دہلی قدیم شاہ جہاں آباد اند

صرف ایک نام کو باقی ہے نشانِ دہلی   نہ وہ رفعت ہے نہ شوکت ہے نہ شانِ دہلی
ہفت اقلیم میں اس شہر کی تھی دھاک بندھی   کوئی دنیا میں نہ تھا شہر بسانِ دہلی

ہر گلی کوچہ تھا اس شہر کا صد رشکِ ارم　　غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکانِ دہلی
سڑکیں وہ پاک کہ ہوں عارضِ خوباں مجوب　　صاف جوں آئینہ ہر ایک دکانِ دہلی
غیرتِ چشمہ حیواں تھا ہر اک چشمۂ آب　　رشکِ تسنیم تھی ہر نہرِ روانِ دہلی
گرچہ اب خاک کہی اُڑتی ہے و لے اس پر بھی　　روکش بادِ بہاری ہے خزانِ دہلی
چھین لیتے تھے بس اک نیم نگہ میں دل کو　　آفتِ جان تھے وہ آفت جانِ دہلی
وہ ہنرمند کہاں اور کہاں اہلِ کمال　　اُن کے مٹنے سے مٹی شوکت و شانِ دہلی
کون ایسا ہے کہ جس پر نہیں صدمہ اس کا　　جگر ماہ پہ ہے داغ زیانِ دہلی
ہائے رے حسرتِ دیدار کہ خارج شدگاں　　گٹھریاں سر پر ہیں اور ہیں نگرانِ دہلی
وہ گل اندام جو پھولوں میں پڑے ملتے تھے　　ہوئے پامال خزاں آہ بسانِ دہلی
نہ وہ گانا نہ بجانا نہ وہ میلے ٹھیلے　　اہلِ عشرت بنے سب مرثیہ خوانِ دہلی
سینہ کوبی ہے کبھی اور کبھی آہ و فغاں　　لب پہ نالہ ہے کبھی گاہ بیانِ دہلی
احمد پاک کی خاطر تھی خدا کو منظور　　ورنہ قرآن اترتا بہ زبانِ دہلی
چاندنی چوک کا عالم، نہ دریبہ کا وہ حسن　　خاص بازار کی زینت، نہ وہ آنِ دہلی
کالے آئے تھے یہ کیا کالی بلا آئی تھی　　ہوگئے خاک بسر خورد و کلانِ دہلی
ہائے رے حبِ وطن صدمہ اٹھائے کیا کیا　　اس پہ بھی آن بسے لوگ میانِ دہلی
گھر چھٹا شہر چھٹا پر نہ چھٹے حضرت عشق　　طرفہ معجون ہیں یہ پیر و جوانِ دہلی
شکر صد شکر کہ حکام عدالت گستر　　باعثِ امن ہوئے آکے میانِ دہلی
پھر ہے منظور بہ دل زینت و رونق یاں کی　　پھر ہے ملحوظ نظر عزت و شانِ دہلی

شعر جاں سوز بھی دوچار تجمل کہیے
جی یہ چاہے ہے سنے جاؤں بیانِ دہلی

ایضاً

مل گئے خاک میں سب غنچہ نہانِ دہلی　　آگ لگ جائے تجھے بادِ خزانِ دہلی

چشمِ نم ناک، دل افسردہ وصد پارہ جگر بیٹھے اس طرح سے ہیں غم زدگانِ دہلی
اور مت آگ لگا شمع خیالِ جانان خود جلے بیٹھے ہیں دل سوختگانِ دہلی
در بدر خوار پھرے، مال لٹا، شہر چھٹا پیٹیں کس کس کو بھلا ماتمیانِ دہلی
نہ محافل، نہ مجالس، نہ الگ گوشہ کوئی بیٹھ کر روئیں کہاں نوحہ گرانِ دہلی
نہ وہ تاکوں پہ پری چہرہ، نہ مہ رو لبِ بام نہ وہ بازار، نہ وہ سیر کنانِ دہلی
نہ طرحداروں کا بن ٹھن کے نکلنا سرِ شام نہ وہ چشمک زنی ماہ رخانِ دہلی
نہ وہ عشوہ نہ وہ شوخی نہ وہ غمزہ نہ ادا کچھ نئی وضع سے ہیں خوش وضعانِ دہلی
مسجدِ جامع کی رونق نہ وہ گدڑی کی بہار نہ وہ زہّاد خدا رس نہ بتانِ دہلی
سرنگوں ہوتے تھے یہاں دیکھ کے جن کو زاہد اب خدا جانے کہاں ہیں وہ بتانِ دہلی
ہائے رے سوزِ محبت کہ پھکا جاتا ہوں یاد جب آتے ہیں وہ شعلہ رخانِ دہلی
مال مستی سے جنھیں ہوش نہ تھا دنیا کا فاقہ مستی میں وہ ہیں عشرتیانِ دہلی
چوکڑی بھولتے تھے دیکھ غزالِ ختنی ایسے انداز کے تھے خوش نگہانِ دہلی
طعنہ زن ہودیں زلیخا پہ یہاں کے عشاق فخر یوسف پہ کریں کج کلہانِ دہلی

مشغلہ اپنا تجمل کرے کیا خاک رقم
ہم نشیں اس کے ہیں کل ماتمیانِ دہلی

ایضاً

پھر بندھا دل پہ خیالِ دہلی پھر ہوا رنج و ملالِ دہلی
پھر نئے سر سے طپش ہے دل کو سرد کچھ پاتا ہوں حالِ دہلی
مٹ گیا عیش و تنعم سب کا لٹ گیا مال و منالِ دہلی
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا کیا ہوئے اہلِ کمالِ دہلی
تھی غضب اس کی ترقی ہے ہے آفتِ جاں ہے زوالِ دہلی
جان دیتے تھے جہاں کے دلبر تھا عجب حسن و جمالِ دہلی

حاتم طائی چھپا زیرِ زمیں دیکھ کر دست نوالِ دہلی
جس کو دیکھا اُسے خواہاں اس کا سب کے لب پر ہے سوالِ دہلی
خلد اک باغِ خزاں دیدہ ہے کون کہتا ہے مثالِ دہلی
نہیں بچنے کا، پڑے گا بیشک چرخ کی جاں پہ وبالِ دہلی
کانپا بس خوف سے مریخِ فلک دیکھ کر جنگ و جدالِ دہلی
ابتدا جیسی ہوئی خوب ہوئی دیکھیے کیا ہو مآلِ دہلی
ہے تجمل کی دعا یہ ہی خدا
اب ترحم ہو بحالِ دہلی

قطعہ ایضاً

پھرتے چلتے جو میں آنکلا بہ شہرِ دہلی وہ مکاں مجھ کو نظر آئے نہ اُس جا وہ مکیں
نہ دکاں کی رونق نہ وہ لطفِ بازار نہ وہ خوبیٔ سڑک اور نہ صفائیٔ زمیں
نہ کٹوروں کی وہ جھنکار، نہ شورِ خلقت نہ پری زادوں کا حلقہ نہ وہ حسنِ نمکیں
نہ وہ کوٹھوں کی سجاوٹ نہ وہ کمروں کی نمود نہ کوئی ماہ لقا اور نہ کوئی زہرہ جبیں
سب طرف دیکھا نہ پایا کوئی واں راحتِ جاں دلِ مضطر نے کسی جائے نہ پائی تسکیں
چرخِ بدکیش کو کیا کوسوں نہ چھوڑے اس نے وہ نزاکت بھرے انسان، وہ اہلِ تمکیں
ایسے ایسے تھے کہ اچھوں کو غش آجاتے تھے کھول دیتے تھے جدھر اپنی وہ زلفِ مشکیں
خوں رُلایا انھیں جلاد فلک نے کیا کیا وہم سے کرتے نہ جو ہاتھ حنا سے رنگیں
ملنا دشوار ہے اب اُن سے تو اے پیکِ خیال دلِ بیتاب کو کس طرح سے آجائے یقیں
لگ گئی کس کی نظر کون تھا ایسا کمبخت کور ہو جائے الٰہی کہیں چشمِ بدبیں
باغ کی سمت جو آیا تو میں کیا دیکھتا ہوں خاک سی اُڑتی ہے گل بوٹوں کا واں نام نہیں
جس طرف دیکھا تو اک ڈھیر تھا خار و خس کا نہ تو نرگس تھی نہ سوسن نہ سمن نے نسریں
سو سو اٹھکیلی سے چلتی تھی جہاں بادِ نسیم بادِ صرصر کا بھی دیکھا تو نہ تھا نام کہیں

عندلیبانِ چمن چہچہے کرتے تھے جہاں ایک چڑیا بھی نہ دیکھی وہاں کرتی چیں چیں
تھے جہاں نغمہ سرائے طیورِ گلشن مرثیہ خوانوں کی سی آئے آواز حزیں
آشیانے ہیں وہاں زاغ و زغن کے صدہا تھے جہاں سیکڑوں طاؤس، ہزاروں شاہیں
چوب بوسیدہ کا انبار پڑا تھا کہ جہاں سرو نوخیز کھڑے رہتے بہ زیب و تزئیں
تودہ تودہ تھا پڑا ہائے وہاں بول براز جس جگہ رہتی تھی آراستہ بزمِ رنگیں
چہچہے قہقہے میں جن کے گزرتے اوقات مثل ماتم زدہ بیٹھے نظر آئے غمگیں
دیکھ یہ حال بہ صد حسرت و صد یاس و الم بس تجمّل نے پڑھا مطلعِ ثاقب یہ وہیں

اے کہن سال فلک دشمنِ جانِ دہلی
کیا تیرے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی

ترانہ سنجی عندلیب طبع سخن گزیں نواب شہاب الدین احمد خاں بہادر
متخلص بہ ثاقب خلف اکبر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر، در نظم و نثر
یگانۂ آفاق واز برگزیدہ شاگردانِ نواب اسد اللہ خاں بہادر غالب اند

اے کہن سال فلک دشمنِ جانِ دہلی کیا تیرے ہاتھ لگا کھو کے نشانِ دہلی
حیف صد حیف کھدی شاہجہانی تعمیر وائے صد وائے مٹی شوکت و شانِ دہلی
وہاں قلعہ، نہ دریبہ، نہ سڑک پھر کیوں کر دلّی والوں کو ہو جنت پہ گمانِ دہلی
اس کی ویرانی سے آباد ہوئے اور بلاد ہے بہارِ چمنِ دہر خزانِ دہلی
اہلِ دلّی نہ کریں بخت کا شکوہ کیوں کر بخت خاں ہی ہوئے جب باج ستانِ دہلی
سحر آہنگ مغنی تھے ہزاروں اور اب کچھ جو باقی ہیں سو ہیں مرثیہ خوانِ دہلی
حاکمِ عادل و دانا کو خدا نے بھیجا تب یہ آباد ہوئے چند مکانِ دہلی
کون وہ داورِ جم مرتبہ کوپر صاحب کہ جسے خلق کہے شاہجہانِ دہلی
شہر والوں کو یہی ورد زباں ہے شب و روز کہ سلامت رہے یہ فیض رسانِ دہلی
پھر وہی مسجد جامع کے ہے بازار کی دھوم پھر ہے آراستہ ہر ایک دکانِ دہلی

پاس مسجد کے شفاخانہ ہے ایسا کہ جسے — ہے بجا کہیے اگر روح و روانِ دہلی
قلعہ میں ہے وہ پری زاد عجائب خانہ — کہ صنم خانۂ چیں ہے نگرانِ دہلی
چاندنی چوک بگڑ کر وہ بنا از سرِ نو — کہ کہیں گے ہم اُسے بختِ جوانِ دہلی
چوک کے باغ میں وہ رنگ ہے آرائش کا — کہ قسم کھائے ہے فردوس بہ جانِ دہلی

اہلِ ایران یہ غزل سن کے کہیں گے بیشک
بود ثاقبؔ مگر از اہلِ زبانِ دہلی

روشن بیانی نواب مرزا داغ کہ محامد شان در مسدسات ذکر یافتہ

یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمانِ دہلی — تھا مرا نام و نشان نام و نشانِ دہلی
لے گئے لوٹ کے اب شوکت و شانِ دہلی — پوربی پہلے اُڑاتے تھے زبانِ دہلی
دلّی والوں کے لیے تازہ بنے گی جنت — لے گئے سر پہ ملک تحفہ مکانِ دہلی
گرم ہنگامہ ہوئے لالہ رُخانِ پنجاب — گل کھلائے ہیں نئے تو نے خزانِ دہلی
رشکِ شمشاد تھا ہر خوش قد و ہر خوش رفتار — سرو آزاد تھا اک ایک جوانِ دہلی
عارض صاف تھا اک ایک مصفا بازار — چشم پُر جلوہ تھی اک ایک دکانِ دہلی
اس سے بڑھ کر کوئی محشر میں نہ ہوئے گا حساب — بس یہی ہوگا کہ ہم اور بیانِ دہلی
مژدہ اے بخت کہ پھر آئے یہاں صاحب لوگ — زیب دہلی ہے کوئی، ہے کوئی شانِ دہلی
دے دیے فوج کو حکام کی انعام میں سب — گنج قاروں سے فزوں گنج نہانِ دہلی
قلعہ میں بارکیں لوہے کی بنی ہیں کیا خوب — نہیں کلکتہ غرض اب تو بسانِ دہلی
قلعہ کے بیچ کا میدان پھر اس میں وہ سڑک — کہ بہ دل کہیے جسے ہے دل و جانِ دہلی
گر یہ میدان نہ ہوتا تو ٹھکانا ہی نہ تھا — تنگ سے رہتے سدا روح روانِ دہلی
روکش سد سکندر اسے کہیے تو بجا — فتح گڑھ ہے جو پہاڑی پہ قرانِ دہلی
یا خدا مسجد جامع کا رہے نام بلند — اہلِ کعبہ کہیں وہ آئی اذانِ دہلی

میرؔ و غالبؔ و آزردہؔ سے پھر لوگ کہاں
داغ اب یہ ہیں غنیمت ہمہ دانِ دہلی

نغمہ ریزیٔ طوطیٔ سخن مرزا شمشاد علی بیگ خاں صاحب المتخلص بہ رضوان
بردار مرزا قربان علی بیگ خاں سالک از شاگردانِ جناب مستطاب
نواب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسداللہ خاں غالبؔ نظام جنگ بہادر اند

میری فریاد سے ظاہر ہے بیانِ دہلی　　دل خوں گشتہ پہ ہے داغ زیانِ دہلی
ہم کو معلوم تصور سے ہوا ہے اتنا　　عرش سے بڑھ کے ہے کچھ رفعتِ شانِ دہلی
کحل مازاغ لگاؤ تو کھلے راز کہ ہے　　چیدہ عالم ارواح جہانِ دہلی
شہر دہلی کو اگر ہند کا دل کیجیے فرض　　حضرتِ قلعہ کو ٹھہرایئے جانِ دہلی
ہم نے پائے نہ ہنرمند کہیں دلّی سے　　ہم نے دیکھا نہ کوئی شہر بسانِ دہلی
چھوڑ دے زہد کو زُنار پہن لے زاہد　　یک نظر دیکھے جو اندازِ بتانِ دہلی
حسنِ یوسف جو نہ دیکھا ہو کسی نے دیکھے　　ہر دکاندار کے ہے پاس میانِ دہلی
ہم کو رونا تو یہی ہے کہ ہوئے ہم برباد　　اور اغیار ہوئے عشرتیانِ دہلی
گر نہ ہوں ہم تو ہو بازار میں گری کیوں کر　　ہم ہی تھے جنس گراں ارزد کانِ دہلی
دست یغمائے فلک سے نہ رہا کچھ باقی　　ہاں مگر واسطے نالے کے زبانِ دہلی
ہے عدم کی تجھے منظور خدایا رونق　　کہ اٹھایا انھیں جو لوگ تھے جانِ دہلی
کیا ہیں درکار مکانات ارم میں یارب　　کہ اٹھے جاتے ہیں دلّی سے مکانِ دہلی
انتہا گم شدگی کی ہے عدم ہوجانا　　ہم نے پایا نہ عدم میں بھی نشانِ دہلی

کیا بتاؤں کہ ہوں کس صدمے سے رضواںؔ خاموش
دل خوں گشتہ پہ ہے داغ زیانِ دہلی

مرزا حسین علی خاں راقم خلف اصغر مرزا زین العابدین خاں مرحوم
متخلص بہ عارف کہ بہ سبب کم فرصتی بر ہمیں یک مطلع اکتفا نمودہ اند

مٹ گیا خوب ہوا نام و نشانِ دہلی　　کس کے پاپوش بنے مرثیہ خوانِ دہلی

غزل مرزا قربان علی بیگ خاں سالک کہ شمہ از محامد شان بالا ذکر یافتہ

روے جنت میں بھی ہم کر کے بیانِ دہلی — اس سے ظاہر ہے نہیں خلد بسانِ دہلی
اس کے مٹنے سے ہوئی عالم بالا کی نمود — ورنہ تھی رشک فلک شوکت و شانِ دہلی
کس کا پتھر کا ہے دل کس سے سنا جاتا ہے — کون ایسا ہے کہ ہو جس سے بیانِ دہلی
محشر غدر سے بھی مٹ نہ سکا اس کا وجود — ہے الگ عالمِ فانی سے جہانِ دہلی
ہنستے ہیں بخت زلیخا پہ تو یوسف پہ ہے طعن — دیکھ کس رتبہ کے ہیں پیر و جوانِ دہلی
ہے خط و خال کا عالم وہی اب تک گویا — ہے اسی وقت کی نکلی ہوئی جانِ دہلی
حسرتوں کا ہے مکینوں کے عجب ہنگامہ — رہے آباد اجڑ کر بھی مکانِ دہلی
مٹ گئے پر بھی تو ملتا نہیں دلی کا جواب — کوئی ڈھونڈے تو اسی پر ہو گمانِ دہلی
منّ و سلویٰ کے مزے سے ہو وہ کیونکر آگاہ — جس نے کھایا ہی نہ ہو زلّہ خوانِ دہلی
ہوتے ہیں دور کے بس ڈھول سہانے واعظ — خلد میں کیا ہے نہیں ہے جو میانِ دہلی
میں نے دیکھا ہے ملائک کو خریدار اس کا — میں نے چلتے ہوئے دیکھی ہے دکانِ دہلی
اس قدر خلخ و نوشاد کی تعریف نہ کر — ہم نشیں آ تجھے دکھلاؤں بتانِ دہلی
غالب و نیر ثاقب سے بنا ہے گویا — بلی ماروں کا محلّہ صفہانِ دہلی

سن کے ہر شعر پہ کیوں کر نہ ہوں آنکھیں نمناک
سالک غمزدہ ہے مرثیہ خوانِ دہلی

قطعہ ایضاً

شہر دہلی ہوا ہے کیوں خالی — کیوں مٹی یاں سے صورتِ آدم
زور بازار موت دیکھ کہ چین — ملک الموت کو نہیں اک دم
ڈھیر کس جا نہیں ہے مردوں کا — کس زبان پر نہیں فغاں پیہم
نہیں تل دھرنے کی زمیں میں جگہ — مردے کا دفن ہو بلا سے اہم
خاک آسودگانِ چشتیں پر — یہ نئے طور کا ہوا ہے ستم

ایک کی قبر میں گئے سو اور   تنگیِ جا سے لڑتے ہیں باہم
قافلہ قافلہ گئے کیوں لوگ   کب ہے اتنا وسیع ملکِ عدم
نہیں جاتے مگر عدم کو یہ لوگ   اور ہی نکتہ اس میں ہے مبہم
کرہ خاک و باد و آتش و آب   فرط خلقت سے ہوگئے تھے کم
رودئے اپنی کمی پہ یہ چاروں   ہوگیا رحم خالقِ عالم

دے دیے ان کو لے کے خلقت سے
کچھ عناصر جو مل رہے تھے بہم

تیز پردازی طوطیِ فکر شتاب خاں صاحب متخلص بہ سپہر کہ زانوے ادب را بہ خدمت افادت مرتبت شاہزادہ والا تبار مرزا قادر بخش صاحب متخلص بہ صابر طے کردہ

مٹ گیا صفحۂ عالم سے نشانِ دہلی   مثل عنقا ہے زبانوں پہ بیانِ دہلی
نظر آتا ہے ہر ایک جا پہ نگاہوں کا ہجوم   کیوں نہ ہو گرمئ بازارِ دکانِ دہلی
ان سے بے جا ہے ہمیں کم سخنی کا شکوہ   کہ ہیں خاموش مصیبت زدگانِ دہلی
روز بجتے ہیں تزلزل میں یہاں کے ساکن   آفتِ جاں ہیں مگر مدعیانِ دہلی
خوب برباد کیا رشک سے گردوں نے اسے   تھی جو مشہور جہاں عظمت و شانِ دہلی
جی بہلتا ہے اسے سن کے مسلمانوں کا   گویا افسانۂ جنت ہے بیانِ دہلی
اس کے بچنے کی نہیں ہے کوئی امید ابتک   ملک الموت کے قبضے میں ہے جانِ دہلی
جو بلا آئی گئی پھر نہ یہاں سے پھر کر   کیا ہی دلچسپ ہے ہر ایک مکانِ دہلی
اس کے طبقے کو جو اُلٹا ہے فلک بچ ہتلا   کوئی یونان کا طبقہ تھا بسانِ دہلی
ہو سکا اس کا فصیحانِ جہاں سے نہ جواب   گویا قرآں کی زباں ہے یہ زبانِ دہلی
آسمان کیا کہ زمین بھی نہیں تھمنے دیتی   چرخ ساں پھرتے ہیں آفت زدگانِ دہلی

اس زمین پر نہیں بسنے کی ہے امید سپہر
آس بھی ٹوٹ گئی مثل مکانِ دہلی

ریختہ کلک گوہر سلک نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ صاحب تذکرہ
گلشن بے خار از امرائے شاہجہان آباد اند و بہ پارسی حسرتی تخلص می فرمایند

ہائے دہلی و زہے دل شدگانِ دہلی   آپ جنت میں ہیں اور دل نگرانِ دہلی
وہی جلوہ نظر آتا ہے تصور میں ہمیں   مٹ گئے پر بھی یہ باقی ہے نشانِ دہلی
کل یوم ہو فی شان کی ہے جلوہ گری   کیا ہوا گر نہ رہی شوکت و شانِ دہلی
تھیں جوانہار بہشتی کی حکایت نہریں   وہی نہریں ہوئیں اب اشک روانِ دہلی
گر نہ کہویں کہ یہ دلی ہے تو ہرگز نہ پڑے   دلّی والوں کو بھی دلی پہ گمانِ دہلی
دلّی اب ہے تن بیجاں تن بیجاں کیا خاک   جان سے جا چکے جو لوگ تھے جانِ دہلی
کس طرح پردے سے نکلے ارم ذات عماد   ابھی موجود ہیں دو چار مکانِ دہلی
ربع مسکوں سے زیادہ ہے بہت وسعت میں   چاندنی چوک کہ واقع ہے میانِ دہلی
صورتیں ہوگئیں معنی جسد ارواح ہوئے   بے خبر کہتے ہیں ویراں ہے جہانِ دہلی
رند پریاں کے کریں رشک ثقاتِ امصار   بادشاہوں پہ کریں نازشبانِ دہلی
دل قدح بادہ محبت گل و ریحاں عرفاں   کچھ نئے رنگ کے ہیں بادہ کشانِ دہلی
پیر خوش رائے اگر ہیں تو جوان ہیں خوش رو   عجب انداز کے ہیں پیر و جوانِ دہلی

شیفتہ اور ستائش کے نہیں ہم خواہاں
یہی بس ہے کہ کہیں "یہ ہے زبانِ دہلی

میر اکرام الدین صاحب شاطر تخلص برادر میر
قمر الدین صاحب از پیرزادگان قدیم دہلی است

کوئی عالم میں نہیں شہر بسانِ دہلی   ہے مٹے پر بھی سوا عرش سے شانِ دہلی
پہلے رونا تھا انھیں نو فلکوں کا اور اب   بن گیا اور فلک دودِ فغانِ دہلی
طعنہ کیوں دیتی ہے اے بادِ بہار فردوس   تجھ سے بہتر ہے ابھی تک تو خزانِ دہلی
نہ تو دل کہنے میں ہے اور نہ قابو میں زباں   پوچھ مت ہم سے کہ ہم اور بیانِ دہلی

غدر کو تیغ نہ سمجھوں تو بھلا کیا سمجھوں   دل پہ آتا ہے نظر زخم زبانِ دہلی
اہلِ جنت سے نہ باتوں میں ملا لطف ہمیں   نہ سنی جب کہ وہاں ہم نے زبانِ دہلی
پہلے بہتر تھا جوانوں سے ہر اک پیر یہاں   اور اب پیر سے بدتر ہیں جوانِ دہلی
چمن خلد بڑھانا تھا الٰہی منظور   باغ دنیا میں نہ رکھا جو نشانِ دہلی
دیکھنا چشم حقارت سے نہ اس کو شاطر
ہے مٹے پر بھی سوا عرش سے شانِ دہلی

زمزمہ سنجی طوطی فکر آغا مرزا صاحب متخلص بہ شائق
اصلاح از برادر خود مرزا داغ می گیرد

بود از دیر فلک دشمنِ جانِ دہلی   کہ چنیں کرد بایں شوکت و شانِ دہلی
دل بہ غم چشم بہ خون لب بہ فغانِ دہلی   وائے بر خستگی خستہ دلانِ دہلی
اہلِ دہلی نہ پسندند جو خلدِ فردوس   قدسیاں آمدہ بردند مکانِ دہلی
جن و انسان و ملک چوں بہ دو عالم ہستند   ہمہ در حلقہ غم ماتمیانِ دہلی
بہ یمن بودے کہ حاتم طائی مشہور   فخر حاتم شدہ اکثر بمیانِ دہلی
ہر کہ مقبول شدہ ظاہر او گشت خراب   یافت ہرگز نہ کسے رازِ نہانِ دہلی
رونقِ بزم جہاں بود بہار دہلی   زینت باغ جناں گشت خزانِ دہلی
ماتم ہم نفساں شغل دل افگار آنست   واقعی ایں کہ ہمیں است بیانِ دہلی
خامہ فرسائی بے ہودہ نہ شاید شائق
کیست ہم پایہ کدا می است بسانِ دہلی

بال افشانی طوطی اندیشہ شاہزادہ والا تبار مرزا قادر بخش صاحب
المتخلص بہ صابر صاحب تذکرۂ گلستانِ سخن

بسکہ بیداد سے ٹوٹے ہیں مکانِ دہلی   ہو رقم خط شکستہ سے بیانِ دہلی

لامکاں ہوگئے ٹوٹے سے مکانِ دہلی   بڑھ گئی عرشِ معلیٰ سے بھی شانِ دہلی
یہ وہ جا ہے کہ دکھاتی تھی سدا حشر کو راہ   چشم نقش قدم راہ روانِ دہلی
جس طرف دیکھیے اللہ ہی نظر آتا ہے   بڑھ گئی اور بھی ویرانی شانِ دہلی
موجزن اشک مسلسل ہیں گلی کوچوں میں   پا بہ زنجیر ہوئے سرو روانِ دہلی
طالع خفتہ کو روتا ہے فسانہ ان کے   کیوں یہ کرتے ہیں فغاں غمزدگانِ دہلی
خلد تھی ان کی گلی عرشِ بریں بام اس کا   دعویدارانِ خدائی تھے بتانِ دہلی
نہ رکھا چرخ نے روزی کا وسیلہ کوئی   کیا فرشتوں کو بسائے گا میانِ دہلی
وہ گریزاں ہوئے سب اور کشاکش میں رہے   تھے مگر تیر و کمان پیر و جوانِ دہلی
اس کا سایہ تھا سعادت کا کبھی سرمایہ   تھا ہما سے بھی سوا زاغ بیانِ دہلی
لوٹ سے اور بھی بازار ہوا گرم اس کا   صاف ہے صورت آئینہ مکانِ دہلی
مرنے تو مرتے ہیں زندوں میں نہیں دم باقی   عدم آباد میں بستے ہیں کسانِ دہلی
اُن کے اٹھنے سے یہاں بیٹھنے کو جا نہ رہی   ہند میں ظلِ الٰہی تھے شہانِ دہلی
وہ ہوئے غم سے سفید اور یہ سن کے باعث   ایک عالم میں ہیں سب پیر و جوانِ دہلی
بسکہ گلزار ہے زخموں سے تن اک عالم کا   بن گئی موسم گل فصلِ خزانِ دہلی

اہل دہلی کی سیہ بختی کا غم ہے صابر
کہ سیہ پوش ہیں سب حرف میانِ دہلی

مرزا مصطفیٰ بیگ صاحب ضمیر تخلص خلف مرزا اسد بیگ
صاحب جوان خوش فکر از بزرگ خاندان است

کس کے آگے میں کروں آہ بیانِ دہلی   چڑھ گئے دار پہ سب پیر و جوانِ دہلی
پست تھی شانِ فلک دیکھ کے شانِ دہلی   غیرتِ خلد تھا ہر ایک مکانِ دہلی
چوک میں نہر جو واقع ہے نہ پوچھ اس کی نمود   مثل جنت کے رواں ہے یہ میانِ دہلی
منتخب سارے جہاں کی تھی ہر اک جنس یہاں   رشک بت خانہ چینی تھی دکانِ دہلی

خاک میں مل کے یہ معلوم ہوا ہم کو ضمیر
نظر خصم فلک تھی نگرانِ دہلی

مطلع مہر افکار احمد سعید خاں تخلص بہ طالب خلف اصغر نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر

دلّی والوں کی زبان پر ہے بیانِ دہلی ‏ اور فلک پر ہیں ملک مرثیہ خوانِ دہلی
بارے آباد ہوا پھر سے جہانِ دہلی ‏ بنتے جاتے ہیں جو ٹوٹے ہیں مکانِ دہلی
شہر دہلی تھا عجب رشک دو خلد بریں ‏ ہم نشیں تجھ سے کروں خاک بیانِ دہلی
فتنۂ غدر کو ہنگامۂ محشر کہیے ‏ نالہ صور سے ملتی ہے فغانِ دہلی

سارے عالم میں پھرا اور سنی سب کی زباں
پر نہ طالبؔ نے کہیں پائی زبانِ دہلی

سیّد ظہیر الدین صاحب ظہیر تخلص کہ محامد شاں در مسدسات ذکر یافتہ

بل بے دہلی وز ہے شوکت وشانِ دہلی ‏ لامکاں بن گیا اک ایک مکانِ دہلی
مل گئی خاک میں سب شوکت وشانِ دہلی ‏ نہ رہا نام کو بھی نام و نشانِ دہلی
اے فلک اپنے گریباں میں منہ ڈال ذرا ‏ ہائے یہ ظلم و ستم اور کسانِ دہلی
وہ قیامت میں فرشتوں کو لٹا دیتے ہیں ‏ شوخ و بدمست فسوں کار بتانِ دہلی
نام کوثر کا نہ لو حضرت واعظ دیکھو ‏ چوس جائیں نہ کہیں درد کشانِ دہلی
زمزمے بھول گئے نغمہ طرازانِ چمن ‏ ہے ہر اک نوحہ گر د مرثیہ خوانِ دہلی
رہ گئے کہنے کو کچھ، کچھ ہیں فسانے باقی ‏ اب نہ دہلی رہی اور نہ زبانِ دہلی
فلکِ پیر نے مٹی میں ملایا سب کو ‏ پھرتے ہیں خاک بسر پیر و جوانِ دہلی
ہیں نئے ڈھنگ نئے رنگ نئی گفت وشنید ‏ ایک عالم سے نرالا ہے جہانِ دہلی
دلربا، مہر لقا، ماہ جبیں، دشمنِ دیں ‏ کیا قیامت ہیں طرح دار بتانِ دہلی
ایک سے ایک طرح دار نظر آتا ہے ‏ عالم آشوب ہیں یہ کج کلہانِ دہلی

چرخ بد بیں یہ غضب ہے نہ انھیں دیکھ سکا　　چند اشخاص تھے باقی جو نشانِ دہلی
کیوں نہ پامال ہو مردہ ہے بہ دست زندہ　　جسم دوزخ میں ہے، فردوس میں جانِ دہلی
خوش متاعی سرِ بازار ہی ارزِ بازار　　جوہرِ فرد ہے کل جنس دکانِ دہلی
بولتے ہیں جسے اردوے معلّٰی احباب　　اَیُّھَاالنّاس ہے وہ خاص زبانِ دہلی

رات دن گریہ ہے اور سنگ ہے اور سینہ ہے
اور ظہیرؔ جگر افگار و بیانِ دہلی

از نتائج طبع سلیم سخن ور بے عدیل لالہ رام پرشاد صاحب
متخلص بہ ظاہرؔ ناظر محکمہ کلکٹری

کیوں نہ آوارہ پھریں غمزدگانِ دہلی　　کہ ہے عنقا کے نشیمن میں نشانِ دہلی
جھولیاں کیوں نہ بھریں مدعیانِ دہلی　　کہ عجب طرح کی زرخیز ہے کانِ دہلی
بارِ منت سے بھلا کس کا نہیں سر نیچا　　کس کے سر پر نہیں احسان شہانِ دہلی
کوئی ظاہر میں نہ تھا اس کی خرابی کا سبب　　اپنے اعمال ہوئے آفتِ جانِ دہلی
کس قرینے سے تھی آراستہ ہر جنس کی چیز　　چمنستان تھی گویا کہ دکانِ دہلی
صبح پیری کی ہے کافور سے اس کو نسبت　　گل سے رخسار جو رکھتے تھے جوانِ دہلی
رشک طوبیٰ قد دل جو، رخ انور خورشید　　ماہ نو تھا خم ابروئے بُتانِ دہلی
بند ہو جاتے ہیں شیرینیِ الفاظ سے لب　　کیا زباں کھول سکیں مدعیانِ دہلی
میرے نزدیک تو جب داد فصاحت کی ملے　　دہن اللہ کا ہو اور زبانِ دہلی
نظر آتی نہیں صورت کوئی آسائش کی　　پنجہ مرگ میں ہے جان کسانِ دہلی
اک فلک اور بنا میرے ستانے کے لیے　　جب اٹھا دل سے مرے دود فغانِ دہلی
ایسی تصویر بتاں کو جو بگاڑا اے چرخ　　کیا دل عاشق شیدا تھے مکانِ دہلی

گہ ادھر گاہ اُدھر پھرتے ہیں دن بھر ظاہرؔ
بن گئے سایۂ دیوار مکانِ دہلی

از افکار حکیم آغا جان صاحب متخلص بہ عیشؔ کہ ذکرش در مسدسات گزشت

مل گئی خاک میں شانِ دہلی　　نہ رہا نام و نشانِ دہلی
نہیں برباد ہوا کوئی مکاں　　آہ دنیا میں بسانِ دہلی
ہوگیا کیا کہوں پامال ستم　　ہائے ہر ایک مکانِ دہلی
دشتِ غربت میں پھریں چھانتے خاک　　یوں فلک پیر و جوانِ دہلی
گرد کلفت ہوئی افسوس افسوس　　غازۂ ماہ رُخانِ دہلی
شان و شوکت ہوئے ان کی برباد　　جن سے تھی شوکت و شانِ دہلی
کیا ہوا فائدہ اے چرخ تجھے　　بچ بتا کرکے زیانِ دہلی
دیکھ کہتی تھی جسے چشم فلک　　کھاکے سوگند بہ جانِ دہلی
دوسرا گلشن دنیا میں چمن　　نہیں سرسبز بسانِ دہلی
سو وہ ایسی ہوئی برباد کہ ہیں　　بلبلیں مرثیہ خوانِ دہلی
نخل بند چمنِ دہر کو کیا　　ناپسند آئی تھی آنِ دہلی
یک قلم یوں جو کیے اُس نے قلم　　نخل امید کسانِ دہلی
قمریاں کرتی ہیں کوکو غم میں　　کرکے اس طرح بیانِ دہلی
مل گئے خاک میں کیسے کیسے　　اے فلک سرو قدانِ دہلی
عندلیبان چمن ہیں نالاں　　یاد کر غنچہ لبانِ دہلی
پہنی سوسن نے ہے نیلی پوشاک　　کھاکے غم ماتمیانِ دہلی
پیچ کھاتی ہے یہ سنبل کر یاد　　زلف پُرپیچ بتانِ دہلی
لالہ ہو داغ بہ دل کرتا ہے　　یاد خال پریانِ دہلی
یاد کرکرکے ہے نرگس حیراں　　نگہ خوش نگہانِ دہلی
خون بہ دل شام و شفق ہے کر یاد　　زیب لب مسّی و پانِ دہلی
گل کھلایا یہ نیا عالم میں　　کل ہے نیرنگ خزانِ دہلی

اب کہاں ہے وہ کلامِ شیریں ہے کہاں اب وہ زبانِ دہلی
پیشہ ور ایسے کہاں ہیں پیدا جیسے تھے پیشہ ورانِ دہلی
مل گئے خاک میں سب اہلِ کمال مرمٹے قاعدہ دانِ دہلی
الغرض چرخ جفا کار نے آہ خوانِ یغما کیا خوانِ دہلی
دل بھرا آتا ہے خاموش ہو عیشؔ
تجھ سے سن سن کے بیانِ دہلی

ایضاً

کیا جانے اہلِ دہلی سے کیا بات ہوگئی جو دہلی ایسی موردِ آفات ہوگئی
تھی رات واں کی دن سے روشن زیادہ تر یا وہ ہی ہے کہ دن کی وہاں رات ہوگئی
ہر شب شبِ برات تھی ہر روز روزِ عید یا اب وہ جا محلِ مکافات ہوگئی
یہ واردات دہلی کی وہ ہے کہ یاں تو کیا مشہور تابہ سبع سمٰوات ہوگئی
جو سرزمیں کہ مسکن قدسی صفات تھی اب اس طرح وہ وقف بلیات ہوگئی
عبرت کی جا ہے یا اولی الابصار دیکھنا مسمار کیسی کیسی عمارات ہوگئی
نقشِ قدم کی طرح سے سب خاک میں ملے لو اب وہ جائے مدفنِ اموات ہوگئی
مت پوچھیے بگڑتے ہی دہلی کے کیا کہیں کیا واردات خلق پہ ہیہات ہوگئی
دیکھا یہ قول حضرت سوداؔ تو عیشؔ بس
دنیا تمام بزمِ خرابات ہوگئی

ایضاً

حالِ عالم آہ کیف و کم میں کیا تھا کیا ہوا یا اولی الابصار دیکھو دم میں کیا تھا کیا ہوا
جائے عبرت ہے کہوں کیا تم سے اے اہلِ نظر دفعتاً دیکھو تو رنگِ عالم میں کیا تھا کیا ہوا
فصلِ خوردی و جوانی تو وہ گزری چمن سے اب رہی پیری سو اس موسم میں کیا تھا کیا ہوا
جس طرح اوراق کو ہو گنجفے سے ابتری ویسے ہی اس دورہ عالم میں کیا تھا کیا ہوا

کیا کہوں میں تفرقہ پردازیاں اس چرخ کی　　دوستوں میں اختلاط اور ہم میں کیا تھا کیا ہوا
اے دل ناداں تو اس بات کا شاکی نہ ہو　　ربط باہم دیکھ جام و جم میں کیا تھا کیا ہوا
جز خداوند جہاں حالِ دل اپنا عیشؔ بس
کس سے کہیے دوستوں کے غم میں کیا تھا کیا ہوا

ایضاً

ہوگیا ویران دہلی و دیارِ لکھنؤ　　اب کہاں وہ لطف دہلی و بہارِ لکھنؤ
باغ دہلی تو ہوا یوں یک قلم برباد اور　　مل گیا سب خاک میں نقش و نگارِ لکھنؤ
اہلِ جوہر تو ملائے خاک میں دہلی کے دواں　　اور کئے یوں بے سر و پا وضع دارِ لکھنؤ
جو تھے دہلی میں عمائد وہ کیے یکسر خراب　　اور تبہ سارے کیے صاحب وقارِ لکھنؤ
تھا خس و خاشاک دہلی غیرت صد لالہ زار　　رشک صد گلزار تھا اک ایک خارِ لکھنؤ
سو فلک نے یوں کیا دہلی کو تو پامال جور　　اور کیا وقف جفا ہر برگ و بارِ لکھنؤ
رشک صد خورشید تھا ہر ذرۂ دہلی سنا　　مارتا چشمک صفا پر تھا غبارِ لکھنؤ
غم میں دہلی کے گلوں کے تو گریبان چاک ہیں　　اور سوسن ہے چمن میں سوگوارِ لکھنؤ
ٹکڑے ہوتا ہے جگر دہلی کے صدمے سن کے عیشؔ
اور دل پھٹتا ہے سن کر حالِ زارِ لکھنؤ

زمزمہ عندلیب فکر رسائے نواب محمد رضا علی خاں بہادر متخلص بہ عاقلؔ
خلف اصغر نواب اصغری علی خاں مرحوم و مغفور

کیا کروں کس سے کروں آہ بیانِ دہلی　　جان بن کر گئے جو لوگ تھے جانِ دہلی
جن کا مذکور سنے سے بھی غش آجاتا تھا　　کیا ہوئے ہائے خدایا وہ بتانِ دہلی
دیکھ لیں گے ارم و خلد کو بھی آخر ہم　　شہر تو کوئی نہیں دیکھا بسانِ دہلی
باعث شان تھے جو لوگ سو وہ ہی نہ رہے　　اب رہی کیا ہے جو دیکھے کوئی شانِ دہلی

حضرتِ دہلی کے باشندے ہیں جتنے عاقل
گلشن خلد پہ رکھتے ہیں گمانِ دہلی

معانی پروری اعتمادالدولہ معتمدالملک راجہ یوسف علی خاں بہادر عماد جنگ
متخلص بہ عزیز جوان خوش فکر وخوش رو واز نام آورانِ لکھنؤ است

کیجیے اے ہم نفسو خاک بیانِ دہلی — کہ فقط نام کو باقی ہے نشانِ دہلی
آنکلتے ہیں سلامت رہے ملک پنجاب — نازنینان پری چہرہ میانِ دہلی
اس قدر نازش بے جا نہ کر اے فصل بہار — تجھ سے اس وقت بھی بہتر ہے خزانِ دہلی
غم سے ساکت ہیں جو باتیں نہیں کرتے سب کے — ورنہ کیا بن گئے پتھر کے بتانِ دہلی
ختم یہ بات ہے اس شہر پہ ہم ہیں منصف — صاف شفاف عموماً ہے زبانِ دہلی
شیفتہ ہے یہ جواں تم پہ کہے اس گل سے — کوئی اتنا بھی نہیں دوست میانِ دہلی
قبرِ عشاق پہ ایستادہ ہیں کھولے ہوئے بال — نخل ماتم ہے ہر ایک سروِ روانِ دہلی
جام مل، موسم گل نغمۂ دیوان خاص — ابر دربار ہو اور بحر روانِ دہلی
فارغ البال ہو ہر سمت سے اور یار و شتاب — جب سکونت کا ہے کچھ لطف میانِ دہلی
سو برس اُس طرف اے وحشت ہر قصر رفیع — رشک فردوس تھا ہر ایک مکانِ دہلی
کی تھی اجداد نے گلگشت بہ صد جاہ و حشم — ہم کو تقدیر نے دکھلائی خزانِ دہلی
دل کی تڑپن ہے زبس آفت جان مضطر — لے لے اس کو کوئی اب آفتِ جانِ دہلی
یوں تو اللہ کی قدرت کا ہے جلوہ ہر جا — پر جنھیں کہتے ہیں بت وہ ہیں بتانِ دہلی
نشہ ہرچند ہرن ہے پہ غزل کیا لکھیے — جائے انصاف ہے اے بادہ کشانِ دہلی
سنتے ہیں گردشِ افلاک نے غصہ جو کیا — جا بسے خلد میں سب حور و شانِ دہلی
یہ بھی تاثیر ہے اک دور قمر کی ورنہ — ہم کہاں اور کہاں ماہ وشانِ دہلی
کیا بیان کیجیے اے کوچہ جاناں تجھ سے — کوئی آباد نہ تھا شہر بسانِ دہلی
للہ الحمد کہ حکام کو ہے خلق پہ رحم — ورنہ رہتا نہ کبھی نام و نشانِ دہلی

ہوچکی سمع خراشِ احبا خاموش
اے عزیز اب نہیں بہتر ہے بیانِ دہلی

زمزمہ پردازی عندلیب خامہ مرزا یوسف علی خاں عزیز المخاطب
بہ سراج الشعرا، سلطان الذاکرین، طبع معنی یاب وفکر رسامی دارندو
ازشاگردان جناب نواب اسداللہ خاں بہادر نظام جنگ غالب اند

جنتی دیکھ کے کہتے ہیں خزانِ دہلی — ہے بہارِ چمن خلد ازانِ دہلی
کھد گئے سیکڑوں گھر، پر ہے وہی شہر کا نام — کیا ہے اس مودِ معاند میں زیانِ دہلی
سنبل و سوسن آفت زدہ اور نافرمان — باغ عالم میں ہیں یہ ماتمیانِ دہلی
دہلی ایک سیف مصقل ہے کہ ہے شہر پناہ — حفظ دہلی کے لیے طرفہ میانِ دہلی
یاں نہ ذکر ملکوت اور نہ بیانِ لاہوت — اور ہی کچھ ہے نگاہوں میں جہانِ دہلی
اس میں کچھ تھا کہ نہ تھا لیک بھرم تھا کتنا — غدر نے کھول دیا رازِ نہانِ دہلی
عقل چکرائے گی کہتا ہوں سن اے پیر فلک — بھڑ گیا تجھ سے اگر کوئی جوانِ دہلی
فرض گر کیجیے دہلی کو تو جنت ہے بہ جا — کہ ہے یاں نہر رواں کاہکشانِ دہلی
پے بہ پے فاقہ ہے ہر روز تو روزہ کیسا — دیکھنا چاہیے حالِ رمضانِ دہلی
بادہ جز خون جگر اور نہ ساقی جز رنج — نے کوئی میکدہ نے پیرِ مغانِ دہلی
نہر کا شہر میں کہتے تھے جسے زور اور شور — اب سمجھتے ہیں اُسے شورِ فغانِ دہلی
جو طلائی رخ خورشید پہ ہنستے تھے سدا — مل گئے خاک میں وہ سیم برانِ دہلی
اس احاطہ میں نہیں زینت آبادی خلق — جسم بے جان ہے یہ گویا نہیں جانِ دہلی
حیف صد حیف کہ جو لوگ ستائش کرتے — اب وہی لوگ ہوئے مرثیہ خوانِ دہلی
لال ڈگی کہ بڑھی جس کے سبب رونقِ شہر — اب ہے بے نور وہ چشم نگرانِ دہلی
بند ایسے ہیں در شہر کہ کھلتے ہی نہیں — کہیے کیوں کر نہ انھیں گوش گرانِ دہلی
خاص بازار نہیں، چوک نہیں، قلعہ نہیں — کیوں ہے اس شہر پہ خلقت کو گمانِ دہلی

چاندنی چوک کا میدان کہ پُر از نعمت تھا　　خاک اُس میں نہیں خالی ہے وہ خوانِ دہلی
نکتہ پرداز سخن سنج شہاب الدین خاں　　ہے وہ جس سے ہے عبارت ہمہ دانِ دہلی

کیوں عزیزؔ اب وہ کہاں قدرِ متاعِ خوبی
خاک آباد ہے دنیا میں مکانِ دہلی

سخن سرائی نواب غلام حسین خاں صاحب عرف نواب خانی متخلص بہ عاصیؔ خلف نواب خادم حسین خاں بہادر مغفور نبیرہ نواب افراسیاب خاں سخن سرائے بے عدیل است

جنتی لوگوں سے سن سن کے بیانِ دہلی　　حوریاں کرتی ہیں جنت پہ گمانِ دہلی
عرش تک پہنچ گئے غمزدگانِ دہلی　　عرش سے فرش تلک ہے جو فغانِ دہلی
غور کی جا ہے جو دل میں کوئی انصاف کرے　　میرؔ اور دردؔ کی ہے صاف زبانِ دہلی
جبر حاکم سے جو نکلتے تھے سبھی شہر کے لوگ　　پا پیادہ تھے مگر تھے نگرانِ دہلی
دلّی سے جو کہ نہ رکھتے تھے قدم باہر کو　　در بدر وہ ہی ہیں نواب و خانِ دہلی
منہدم چرخ نہ اس شہر کو کیوں کر کرتا　　ہفت اقلیم میں تھی جان جہانِ دہلی

حشر میں دیکھیے کیا ہو یہ غدر میں عاصیؔ
وضع کے ساتھ رہے پیر و جوانِ دہلی

نتائج فکر سیّد حسن علی خاں صاحب متخلص بہ عابدؔ خلف سیّد محمد ابراہیم صاحب مرحوم اصلاحِ شعر از مرزا قربان علی بیگ خاں صاحب سالکؔ گرفتہ است

ہم نے مانا کہ ملی خاک میں شانِ دہلی　　ڈھونڈیے اب بھی کوئی شہر بسانِ دہلی
فاقہ مستی اسے کہتے ہیں کہ غارت ہو کر　　پھر اُسی رنگ میں ہیں پیر و جوانِ دہلی
کرتے ہیں لوگ جو دلّی کی ارم میں باتیں　　حوریں سنتی ہیں بہ صد شوق زبانِ دہلی
خونِ دل پیتے ہیں اور شکر خدا کرتے ہیں　　یوں بسر کرتے ہیں اب بادہ کشانِ دہلی
جنس حسرت کے سوا کچھ نہ رہا اب باقی　　لٹ گئی غدر میں افسوس دکانِ دہلی

غالبؔ و شیفتہؔ و نیرؔ و سالکؔ ثاقبؔ جسم دہلی ہے تو یہ لوگ ہیں جانِ دہلی

توبہ کی عشق سے کب حضرت عابدؔ تم نے
نہ رہے توبہ شکن جب کہ بتانِ دہلی

حکیم غلام رسول خاں صاحب قمرؔ تخلص خلف اوسط حکیم غلام محمد خاں مرحوم و مغفور از تلامذہ نواب غلام حسن خاں محوؔ اند

کیا کروں دوستو میں تم سے بیانِ دہلی عشق میں قلعہ کے جاتی رہی جانِ دہلی
لعل و گوہر کی تھی یہ معدن کانِ دہلی رشکِ گوہر تھے ہر اک سنگ گرانِ دہلی
کیا ہوا مٹ گیا گر نقشۂ دلّی یارو شہر اب بھی کوئی ہوگا نہ بسانِ دہلی
لے گیا ہے فلک پیر اٹھا کر شاید جو فرشتوں کو ہے گردوں پہ گمانِ دہلی
نہ رہا کوئی خدایا کریں کس سے تعریف چاندنی چوک دریبہ نہ جوانِ دہلی
چرخ بد بیں سے خدایا یہ بچیں گے کیوں کر اب یہ باقی جو ہیں دو چار جوانِ دہلی

جب تلک ہوں گے نہ شاگرد قمرؔ اہل اودھ
کیوں کہ پیدا کریں وہ لوگ زبانِ دہلی

یاوہ سرائی و ہرزہ درانامہ گرداور تفضل حسین آشفتہ سر متخلص بہ کوکبؔ از خوشہ چیناں وزلہ ربایانِ میرزا اسد اللہ خاں غالبؔ عرف مرزا نوشہ است

مٹ گئے ہائے مکیں اور مکانِ دہلی نہ رہا نام کو بھی نام و نشانِ دہلی
سہے سہے نہ رہیں کیوں کہ مقیمان فلک کہ فلک ہے ہدفِ تیرِ فغانِ دہلی
ہم تو انسان ہیں جی کیوں کہ رہے بن روئے کہ فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خوانِ دہلی
جیسے فارس میں خلاصہ ہے زبانِ شیراز ویسی ہی ہند میں ہے پاک زبانِ دہلی
دور سے دیکھ کے ہو کیوں کہ یقیں دلّی کا آ کے دلّی میں ہو جب یوں ہی گمانِ دہلی
فرط کاہیدگی درد سے یارب اب تو سب کے سب ہو گئے ہیں پیر جوانِ دہلی

اس کی ویرانی میں اک بات ہے دیکھواب تک   مٹ گئے پر بھی تو باقی رہی آنِ دہلی
جسدِ چرخ نہ انجم سے بنے آبلہ دار   گر نہ ہو درپے بربادی شانِ دہلی
بس کہ ہنگامہ طلب تھا یہ مکاں ہاں پہلے   فتنہ حشر بھی ہووے گا میانِ دہلی
جو مکین رہ گئے بے گور و کفن مرمرکر   ڈھانپنے پردہ کرے اُن کے مکانِ دہلی

غالب و سالک و ثاقب ہی نہیں ہیں غمگین
کوکبِ خستہ بھی کرتا ہے فغانِ دہلی

اظہار درد دل مرزا باقر علی خاں کامل کہ بیان صفات شان بالا مذکور است

مٹ گیا پر نہ مٹا نام و نشانِ دہلی   لب پہ دلی ہے تو نظروں میں ہے شانِ دہلی
اگلے عیشوں کا کہیں چرخ عوض لیتا ہے   اب مصیبت میں پڑے ہیں جو کسانِ دہلی
منہ کو اُبلا ہوا آتا ہے کلیجہ ہے ہے   ہم نشیں کیوں کہ بھلا کیجیے بیانِ دہلی
جی بہارِ چمنِ دہر پہ کیوں کر دھڑکے   کہ نظر آتی ہے افسوس خزانِ دہلی
غم دیے، رنج دیے، اپنی گرہ سے ظالم   چرخ کیا تو نے لیا کرکے زیانِ دہلی
اب جو تعریف کرے کوئی تو حسرت سے کہوں   تو نے پہلے بھی کبھی دیکھی تھی شانِ دہلی
ضبط گریہ کو یہ دلی نے کیا ہے گویا   نہیں پائی گئی یہ نہر روانِ دہلی
سیل کے گولے پڑے چرخ سے فتنے برسے   منہدم کیوں کہ نہ ہو جائیں مکانِ دہلی

خانۂ کعبہ کو اب حضرت کاملؔ چلیے
رہنے کا اب نہ رہا لطف میانِ دہلی

طبع آزمائی سخن پرداز معنی پرور میر لطف علی صاحب انامی متخلص بہ لطف کہ از بلدہ لکھنؤ تازہ وارد و صادر اند

حیف ہے اٹھ گئے کیا پیر و جوانِ دہلی   خاک باقی نہ رہا نام و نشانِ دہلی
چہچہے بلبلوں کے رہتے تھے دن رات جہاں   مسکنِ فاختہ ہے اب وہ مکانِ دہلی
ہر روش پہ ہیں خراماں اب اسی طرح سے غیر   جیسے گلگشت میں تھے سرو روانِ دہلی

اب تو اک اک پہ گزر جاتے ہیں گھر میں دو دن   جو غریبوں کو دیا کرتے تھے خوانِ دہلی
رہ گیا قالب بے نور فقط آنکھوں میں   ملک الموت اُڑا لے گئے جانِ دہلی
سن کے ہر طرز کو اطراف و جوانب والے   وجد کرتے تھے جو ہوتا تھا بیانِ دہلی
اس قدر گریہ وزاری میں ہیں اب پس ماندہ   جن سے گردوں پہ گئی آہ و فغانِ دہلی
جلوہ گر رہ گئے ہیں چند یہاں صاحبِ دل   مثل خورشید وہ روشن ہیں میانِ دہلی
نور سے قدرت باری کے ضیا دین کو ہے   ورنہ ہیں بے حس و حرکات کسانِ دہلی
اہلِ حرفہ کے سوا چین کسی کو بھی نہیں   پھرتے ہیں سب متردد پئے نانِ دہلی

اٹھ گیا لطف محبت نہ رہا دل کو قرار
کون ہے جس کو نہ پہنچا ہو تکانِ دہلی

غزل

حافظ غلام دستگیر صاحب متخلص بہ مبین کہ محامد شان بالا مذکور اند

ہوئے دفن جو کہ ہیں بے کفن انھیں روتا ابر بہار ہے
کہ فرشتے پڑھتے ہیں فاتحہ نہ نشان ہے نہ مزار ہے
نہ تھا شہر خلد سے بھی یہ کم، سبھی جا خوشی تھی، نہ تھا الم
چلی ایسی بادِ سموم غم، نہ وہ رنگ ہے، نہ بہار ہے
کہو کیوں کہ اپنی ہے زندگی، کوئی جائے امن نہیں رہی
کہیں تیغ موت کھنچی ہوئی، کہیں پھانسی ہے کہیں دار ہے
پھرے دشت بہ دشت تباہ سب، بُرے دن دکھائے فلک نے اب
نہیں تھمتے اشک ہیں روز و شب، یہی شغل ہے، یہی کار ہے
نہ وہ لوگ ہیں نہ وہ انجمن جسے دیکھو غم میں ہے نعرہ زن
نہ وہ سیر باغ نہ وہ چمن، جہاں گل تھے کثرت خار ہے
جو دوشالہ پوش تھے مثل گل جو لبوں پہ رکھتے تھے جام مُل
بنے دشت غم کے ہیں خار و گل نہ قبا ہے تن پہ، نہ تار ہے

ہوئی تنگ امت مصطفیٰ، نہیں اٹھتا صدمہ عذاب کا
کہیں رحم جلد ہو یا خدا، برے وقت کا تو ہی تو یار ہے
کہی وہ غزل ہے یہ اے مہدیؔ جسے سن کے روتے ہیں سہ جبیں
وہ ہے کون جس کو کہ غم نہیں، یہاں سب کا سینہ فگار ہے

سخن پردازی ناظم معنی پرور و معنی آرائی ناثر سخن گستر سیّد مہدی حسین
صاحب متخلص بہ مہدی خلف اصغر میر تفضل حسین صاحب مرحوم

رات دن لب پہ نہ ہو کیوں کہ بیانِ دہلی | نہ مکیں اب وہ رہے اور نہ مکانِ دہلی
بعض مقتول ہوئے بعضوں نے پھانسی پائی | نام کو بھی نہ رہے پیر و جوانِ دہلی
شکوہ بے فائدہ کرتا ہے کسی کا ہمدم | تھا مقدر میں لکھا یوں ہی زیانِ دہلی
نہیں بازار محبت میں خریداری دل | چھان ڈالی ہے ہر اک میں نے دکانِ دہلی
نہ وہ ارباب طرب ہیں نہ وہ ہیں اہلِ نشاط | ہاں نظر آتے ہیں کچھ مرثیہ خوانِ دہلی
غمزہ تھا آفت جان اور قیامت قامت | عجب انداز کے تھے ماہ رخانِ دہلی
گھس کے صندل کا لگانا جنھیں دردِ سر تھا | دل پہ رکھتے ہیں وہ اندوہ گرانِ دہلی
فرش گل پر جو جھجکتے تھے قدم رکھتے ہوئے | چلتے کانٹوں پہ ہیں وہ نازکنانِ دہلی
غش پہ غش آتے اگر دیکھتے حضرت یوسف | ایسے انداز کے تھے کج کلہانِ دہلی
جھک گیا چرخ خجل ہو کے قدم بوسی کو | اس نے دیکھی تھی کبھی رفعت و شانِ دہلی
ہوش جاتے رہے تھرا گئی نارِ دوزخ | پہنچی افلاک پہ جب آہ و فغانِ دہلی
خاک جل بھن کے تو ہو جائے گا چرخ بدکیش | نالہ کر بیٹھے جو دل سوختگانِ دہلی
کچھ عجب نقشہ یہاں کا نظر آتا ہے مجھے | کیوں کہ دلّی پہ کیا جائے گمانِ دہلی
اور شہروں کے کریں لاکھ تکلف لیکن | نہیں ہونے کی میسر یہ زبانِ دہلی

ہیں نئے رنگ نئے روپ جہاں کے مہدیؔ
کفِ افسوس ہیں اور لالہ رخانِ دہلی

اندازِ بیان حکیم محمد محسن خاں محسن کہ در مسدسات ذکر یافتہ

وہ پری چہرہ ہوئے قتل میانِ دہلی   موت بھی جن کی ہوئی آفتِ جانِ دہلی
ایسی آباد تھی کیا کیجیے بیانِ دہلی   ہوگی جنت بھی نہ آباد بسانِ دہلی
بے نشان ہوگیا عالم میں نشانِ دہلی   لامکاں بن گیا اک ایک مکانِ دہلی
ملتا دیکھا جو بہت نقشہ یہاں کا ہم نے   ہوگیا روضۂ رضواں پہ گمانِ دہلی
نام خورشید ہے محشر میں دکھانے کو فلک   رکھتا ہے سینے پہ یہ داغِ زیانِ دہلی
کیا کہیں ملکِ عدم میں یہ بسیں گے جا کر   ہوئے جاتے ہیں جو معدوم مکانِ دہلی
پیر ہیں شکل زلیخا مہ کنعاں ہیں جواں   خالی از حسن نہیں پیر و جوانِ دہلی
ابر سمجھو نہ اسے چھا گیا ہے گردوں پر   دود آہِ جگرِ سوختگانِ دہلی
غم وغصہ کو سدا کھاتے ہیں عسرت کے سبب   پیتے ہیں خونِ جگر بادہ کشانِ دہلی
ہوئیں بے خواب جو چشمانِ ملائک شاید   تافلک پہنچ گیا شورِ فغانِ دہلی
لوگ جب دہلی کو دیں خلد بریں سے نسبت   کہیں ہر پیر کو ہم کیوں نہ جوانِ دہلی
نامہ بر کوچہ نہ بازار و محلہ باقی   خط پہ کیا خاک لکھوں نام و نشانِ دہلی
ادب آموز ملائک ہیں یہاں کے جاہل   رشک حورانِ بہشتی ہیں بتانِ دہلی
چشمہ آبِ بقا نام تھا جس کا اب وہ   اشک حسرت سے بھری نہر روانِ دہلی
گھر کھدا، مال لٹا، جان گئی اشک بہے   ہیں مصیبت میں مصیبت زدگانِ دہلی
وا رہیں آنکھیں پس از قتل بھی مقتولوں کی   تن بے جاں ہیں مگر ہیں نگرانِ دہلی
اب جو دتی ہوئی آباد تو کیا خاک ہوئی   جن سے زینت تھی کہاں ہیں وہ جوانِ دہلی
ایسی سرسبز تھی عالم میں، فرشتے آکر   لا کے دکھلاتے تھے رضوان کو مکانِ دہلی

کیوں نہ مطبوعِ جہاں یاں کی زباں ہو محسن
سب زبانوں کا خلاصہ ہے زبانِ دہلی

سخن طرازی مرزا سچے صاحب متخلص بہ ہنر ابن مرزا منور بخت بہادر ابن مرزا فیروز بخت بہادر خلف شاہ عالم بادشاہ خلد آرام گاہ

تھے ہنر ہم سبب عظمت و شانِ دہلی
نہ رہے ہم نہ رہا نام و نشانِ دہلی

اس کو لازم ہے بیابان عدم سے تشبیہ
نہیں اس شہر پہ اب ہم کو گمانِ دہلی

واہ کیا گرمی ہے گفتار میں سبحان اللہ
شعلہ و برق و شرارہ ہے زبانِ دہلی

خلد سے آتے ملائک تھے خریداری کو
ایسے آباد تھی ہر ایک دکانِ دہلی

رفعتِ عرشِ معلیٰ سے بھی سبقت لے جائے
لکھنے بیٹھوں میں اگر رفعت و شانِ دہلی

آہ اے پیر فلک دیکھ تری گردش سے
کس طرح قتل ہوئے پیر و جوانِ دہلی

نام مٹنے کا نہیں حشر تلک رہوے گا
گو فلک تو نے مٹایا ہے نشانِ دہلی

ساکن باغ جناں رہتے تھے مشتاق اس کے
قصر جنت سے بھی بہتر تھے مکانِ دہلی

عدم آباد ہے برباد ہوئے سے یہ دیار
اور وہ مردے ہیں جو بستے تھے میانِ دہلی

حوریں جنت کی انھیں دیکھ کے پڑھتی تھیں درود
وہ حسیں حق نے بنائے تھے بتانِ دہلی

ٹوٹ جاتا ہے دل انسان کا دہلی کی طرح
جب ہنر ہم کبھی کرتے ہیں بیانِ دہلی

تقریظ ریختہ کلک گہر سلک مرزا قربان علی بیگ خاں سالک کہ شمہ از محامد شان بالا ذکر یافتہ

اللہ اللہ پایہ سخن کو کس قدر برتری حاصل ہے کہ جس کے ساتھ دعویٰ رفعت آسمانِ کہن کا باطل ہے سبحان ملاء اعلیٰ جب کاخ والائے سخن کا تماشا کرتے ہیں سر قفائے سر سے لگ جاتا ہے اور ہاتھ ٹوپی پر دھرتے ہیں۔ طوبیٰ اس کے اشجار کے سایے کا اکھڑا ہوا ایک پودا ہے، سدرہ اس کے پائیں باغ میں ایک درخت ہے لیکن ادنیٰ ہے، بہشت جس کو کہتے ہیں اس کی ایک کیاری ہے سلسبیل جس کا نام رکھا ہے اُس میں اس کی ایک سوت جاری ہے۔ طائر وہم خیال کا اُڑنا کنگرہ ایوانِ سخن تک فقط خیال ہے اور وہاں تک وہم کا پہنچنا دشوار ہے۔ خیال کی رسائی محال ہے۔ صیادانِ سخن جو دعویٰ کمند اندازی

رکھتے ہیں بجار کھتے ہیں عنقا کو شکار کرتے ہیں، ہما کو رشتہ بہ پار کھتے ہیں۔ آسمانِ سخن کے ایک ایک ذرے کو آفتاب کی درخشانی اور جہانِ سخن کے ایک ایک مورِ ضعیف کو منصبِ سلیمانی حاصل ہے۔ سخن سے دین کامل ہوتا ہے۔ سخن سے ایمان حاصل ہوتا ہے۔ اگر سخن نہ ہوتا تو انسان کیوں کر حمد باری میں زبان کھولتا۔ اگر سخن نہ ہوتا تو کیوں کر نعت نبویؐ اور مناقب مرتضویؓ اور فضائل صحابۂ کرام اور صفات ائمہ مطہرین میں کچھ بولتا۔ اللہ بس باقی ہوس۔

غزل

نام کس طور سے نہ پائے سخن ہے قیامت تلک بقائے سخن
ماہ کو کسب نور مہر سے ہے مہر ہے کاسبِ ضیائے سخن
یہی کرتا ہے زندۂ جاوید خضر نے کھائی ہے دوائے سخن
لعل و گوہر نہیں ہے یہ مت پوچھ قیمتِ جنس بے بہائے سخن
فہم بسا ذہنی ہے اسی کا اثر پوچھ مت لطف جاں فزائے سخن
اُس کی ہر بات پر فدا ہو جہاں جو کوئی دل سے ہو فدائے سخن
نیو میں رفعتِ سخن کو بھرا جب کہ رکھی گئی بنائے سخن
ہے اسی کا تو نام گویائی کس زبان سے کروں ثنائے سخن
اس کی تعریف کیا کروں سالکؔ
نہیں باقی ہے کوئی جائے سخن

مخمس شہر آشوب من تصنیف شاعر نازک خیال المتخلص بہ صفر طبع نازک می دارد وسخن بمذاق می سراید اور واضح ہو کہ یہ مخمس واسطے ملاحظہ ناظرین والا تمکین کے مندرج فغانِ دہلی کیا گیا

کیسا یہ آسمان بدعنوان ہوگیا عالم تمام غرقۂ طوفان ہوگیا
یہ تہلکہ اک حشر کا سامان ہوگیا اس غم کا پار سینے سے پیکان ہوگیا

دلّی سا شہر ہائے رے ویران ہوگیا

یہ شہر بعد مکہ کے شرف البلاد تھا   یہ شہر جملہ شہروں میں مینو سواد تھا
ساکن ہر ایک اس کا بہشتی نزاد تھا   ہر کوئی وصل یار کی مانند شاد تھا
تھا باغ اب اُجڑ کے بیابان ہوگیا

ہے ہے شہر جس میں نہ تھا درد وغم کا نام   رہتا تھا جس میں زہرہ جبینوں کا اژدہام
شمس وقمر بھی جس کے سلامی تھے صبح وشام   جس کا سدا فضل سعادت سے التزام
اب مورد نحوست کیوان ہوگیا

ہے یاسمین بھی غم سے نہ کچھ زرد اور زبوں   سوسن بھی پیٹ پیٹ کے ہوتی ہے نیلگوں
لالہ کے دل پہ داغ ہے پیتا ہے اپنا خوں   اور گل کا جیب چاک تو غنچہ ہے سرنگوں
نرگس کو اس کے سوگ میں یرقان ہوگیا

وہ تخت گاہ خاص کہ عالم میں مشتہر   شاہِ فلک بھی جس کا سلامی تھا ہر سحر
وہ سلطنت کہ مرجع شاہان نامور   وہ قلعہ جو حصار فلک سے بلند تر
تاراج اب بہ عرصۂ اک آن ہوگیا

یوں آسماں کی اس کو نظر کھائے حیف ہے   مانند مالِ مفت کے لٹ جائے حیف ہے
یوں دفعتاً ورق یہ اُلٹ جائے حیف ہے   رونے کا یہ مقام ہے اور جائے حیف ہے
کیوں یہ جہاز غرقۂ طوفان ہوگیا

ناموس اور ننگ کا تو نام تھا کہاں   بے پردہ و حجاب تھیں نیکو سیر زناں
شیطاں کی طرح لوٹتے تھے جس پہ بے ایماں   وہ حال جس سے مانگے قیامت بھی الاماں
دلّی سا شہر حشر کا میدان ہوگیا

جاتا رہا وہ مسجد جامع کا امتیاز   جس میں کہ تھی فرشوں کو سجدے کی حرص وآز
تھی کعبہ کی مثال جہاں پنجگاں نماز   کیا پوچھتے ہو کیا کہیں تقدیر بے نیاز
اب وہ مکان صرف کرشان ہوگیا

یہ کیا ستم ہے چرخ ستم کار ہائے ہائے   کیسا مٹا دیا ہے یہ گلزار ہائے ہائے

حرف زباں ہے صورتِ بیمار ہائے ہائے　　کراورہی ہیں سب درودیوار ہائے ہائے
غم سے سحر کا چاک گریبان ہوگیا

تاریخ ریختہ کلک جواہر سلک مرزا قربان علی بیگ خاں المتخلص
بہ سالک کہ شمہ از محامد شان در مسدسات بہ تحریر در آمدند

ہوئی تالیف یہ کتاب عجیب
جس سے رسی ہوں عاقل و جاہل
اس کی تاریخ گر کوئی پوچھے
کہہ دے سالک سفینۂ غم دل

تاریخ طبع زاد مرزا قربان علی بیگ خاں کامل
کہ صاحب یک غزل و یک مسدس ست

جب یہ کی تالیف کوکب نے کتاب
جس سے ظاہر ہوئے حالِ اہلِ ہند
یوں کہی تاریخ کامل نے بہ سعی
دفتر رنج و ملال اہلِ ہند

تاریخ طبع از نتائج طبع تجمل رسول خاں تجمل کہ دو غزل و یک قطعہ در غزلیات تحریر یافتہ

کی جمع جبکہ حضرت کوکب نے یہ کتاب
یاں فکر سال طبع نے دل پر کیا ہجوم
اس میں بیان غم ہے تجمل ہر ایک کا
میں نے بھی سال طبع لکھا منبع الغموم

زمزمہ عندلیب فکر رسائے سعادت اساس میر عباس صاحب المتخلص بہ عباس کہ زبدہ خاندان سادات از اولاد خواجہ حضرت فرید شکر گنج رضی اللہ عنہ نواسہ مشیخت پناہ شیخ غلام حسن شیخ غلام حسین صاحبان جاگیرداران بسئی داراپور مرحوم اند

نقشہ خلد تھا گویا یہ مکان دہلی — نہ مٹا ہے نہ مٹے نام و نشان دہلی
کیا ہی برباد ہوا باغ جہان دہلی — چشم حسرت سے ہے نرگس نگران دہلی
اہل دہلی کو تو حب الوطنی نے مارا — لیے دے دے کے درم داغ زبان دہلی
چشم بدبیں کی نظر کر گئی کام آخرکار — ایک مدت سے فلک تھا نگران دہلی
مے کدے جتنے تھے اس شہر کے برباد ہوئے — خون دل کیوں نہ پئیں بادہ کشان دہلی
کچھ نہ ہاتھ آیا مگر اک غم بے وطنی — لے گیا دہلی سے ہر پیر و جوان دہلی
اور کیا اس سے فلک قہر زیادہ کرتا — کہ ہوا پردہ در حسن بتان دہلی

مثل دہلی کے کہیں نقشہ نہ دیکھا ہم نے
ہے مگر روضہ رضوان پہ گمان دہلی

غزل حضرت بوعلی قلندر

کُن کے فرماتے ہی حق کی کیا درافشانی ہوئی
روح کو قالب میں آ کے الفت جانی ہوئی

جب عدم میں تھے تو خوش تھے کچھ نہ تھا دنیا کا غم
آن کے دنیا میں ہم کو منزل فانی ہوئی

اُس جہاں کو چھوڑ کے آ کے پھنسے دائی کے ہاتھ
دیکھتے ہی رو دیا، جی کو پریشانی ہوئی

جب کہ ہم بے ہوش تھے معصوم کہلاتے تھے ہم
ہوش جب آیا ہے ہم کو سخت حیرانی ہوئی*

بچوں کی طرح پھرتے تھے سب کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کری کیا سخت نادانی ہوئی

اس جہاں کو چھوڑ کے اٹھ اُس جہاں کو ہم چلے
لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو خانہ ویرانی ہوئی

قدرتِ حق لا ابالی کیا قلندر دیکھیے
مشت خاک دو جہاں کی کیا گلستانی ہوئی

تمت

بعون عنایت الٰہی نسخۂ فغانِ دہلی بہ حسن سعی بالا کلام بندہ سیّد حسن در مطبع بدرالدجی واقع کوچہ نوہ چاندنی چوک بہ تاریخ یکم فروری 1876 مطابق 3/محرم الحرام 1293ھ نظم نیاز رقم بندہ مستہام دولت رام زیور طبع پوشد۔

☆☆☆

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

ہمایوں نامہ

مصنفہ : گلبدن بیگم
مترجم : عثمان حیدر مرزا
صفحات: 96
قیمت : -/20 روپے

جامع تاریخ ہند

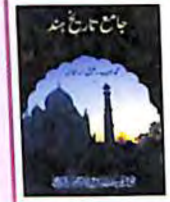

مصنّفین: محمد حبیب
خلیق احمد نظامی
صفحات: 1000
قیمت : -/222 روپے

آثار الصّنادید (جلد اوّل)

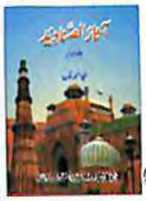

مصنف : سیّد احمد خاں
صفحات: 400
قیمت : -/450 روپے (سیٹ)

آثار الصّنادید (جلد دوم)

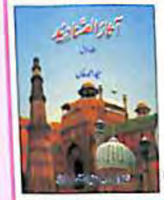

مصنف : سیّد احمد خاں
صفحات: 312
قیمت : -/450 روپے (سیٹ)

آثار الصّنادید (سوم)

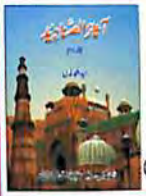

مصنف : سیّد احمد خاں
صفحات: 428
قیمت : -/450 روپے (سیٹ)

تحریک خلافت

مصنف : محمد عدیل عبّاسی
صفحات: 282
قیمت : -/72 روپے

₹ 70/-

ISBN: 978-81-7587-921-8
9 788175 879218

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
National Council for Promotion of Urdu Language
Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025